بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایمان کی حقیقت

مؤلف: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر طارق عبدالحلیم حفظہ اللہ

مترجم: فضیلۃ الشیخ عبدالعظیم حسن زئی حفظہ اللہ

نظر ثانی: عبدالحنان سامرودی حفظہ اللہ

ناشر: مکتبہ دارالقرآن والسنۃ

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

1	ابتدائیہ	1
2	مقدمہ (دارِ ارقم)	5
3	پہلی اشاعت کا مقدمہ	7
4	اسلام اور ایمان	14
5	ایمان قول وعمل ہے اس میں کمی بیشی ہوتی ہے	21
6	ایمان قول وعمل کا نام ہے	21
7	دل کا عمل: نیت، اخلاص، محبت، اطاعت اور توکل ہے	24
8	زبان اور اعضاء کا عمل؟	25
9	زبان کا عمل جیسا کہ تلاوتِ قرآن کرنا	25
10	دوسرا اصول: (ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے)	30
11	ایمان کی کمی بیشی کے مسئلے کی بنیاد؟	32
12	لفظ ''ایمان'' (جس کے بارے میں سلف نے کہا کہ اس میں کمی بیشی ہوتی ہے)	33
13	ایمان مجمل	33
14	ایمان واجب یا ایمان مفصّل	34
15	ایمان کامل	35
16	کفر عملی کے معنی کو سمجھنے میں غلطی	53
17	دنیا میں ظاہری حالت پر حکم لگانا اور آخرت کے حکم کو خلط کرنا	56
18	اعتقاد	62
19	اصرار اور ردّ	82

نمبر	عنوان	صفحہ
20	انفرادی یا اجتماعی طور پر شرائع کو قبول یا ردّ کرنا	88
21	مرجئہ پر ردّ	91
22	شفاعت کی احادیث اور شہادتین کی حقیقت؟	96
23	عصر حاضر کے مرجئہ کی غلط فہمیوں کا ردّ	111
24	ابو طالب کا ایمان	113
25	معاویہ بن الحکم t کی لونڈی کا معاملہ؟	118
26	نجاشی کا ایمان	120
27	آلِ فرعون کے مؤمن کا ایمان؟	127
28	خوارج پر ردّ	129
29	معاصی کی اقسام؟	142
30	کبائر کی تحقیق	147
31	خوارج کے دلائل کا ردّ	152
32	پہلا شبہ یا غلط فہمی ' گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے	153
33	دوسرا شبہ:	156
34	تیسرا شبہ:	164
35	اختتام	172

ابتدائیہ

جو بات لازمی طور پر یاد رکھنے اور جاننے کی ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی کسی کی مذمت کی جائے یا کسی بات کا انکار کیا جائے تو حجۃ اور دلیل کی بنیاد پر ہو۔اس لیے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے پر کوئی بات لازم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔اور نہ ہی بلا دلیل و حجۃ کسی پر کسی چیز کو حرام کرسکتا ہے منع کرسکتا ہے یہ حق صرف اللہ کے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس ہے جنہیں اللہ نے مبعوث فرمایا ہے اور لوگوں پر ان کی اطاعت فرض قرار دی ہے چاہے ان کی عقل اس حکم کا ادراک کرسکتی ہو یا نہ کرسکتی ہو آپ ﷺ کی دی ہوئی خبر ہر صورت میں سچی ہوتی ہے چاہے ہم اسے سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔

جبکہ آپ ﷺ کے علاوہ اگر کوئی شخص کہتا ہے مثلاً کہ فلاں بات صحیح ہے یا غلط ہے تو اگر اس نے اپنی بات واضح اور ثابت نہ کی تو اس کی بات کیونکر مان لی جائے گی؟ تو پھر انکار کے لیے ضروری ہے کہ دلیل کی بنیاد پر اس کا انکار کیا جائے ورنہ یہ ان لوگوں میں شمار ہوگا جن کے بارے میں اللہ کا فرمان یہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰھُمْ اِنْ فِیْ صُدُوْرِھِمْ اِلَّا کِبْرٌ مَّا ھُمْ بِبَالِغِیْہِ [غافر:٥٦]

”جولوگ اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو۔ان کے دلوں میں تکبر ہے اس تک یہ پہنچ نہیں سکتے“

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰھُم کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ وَ عِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ [غافر:٣٥]

”جولوگ اللہ کی آیات میں بغیر دلیل کے جھگڑتے ہیں (یہ بات) اللہ کے ہاں بہت قابل نفرت

ہے اور ایمان والوں کے نزدیک بھی اسی طرح اللہ مہر لگا تا ہے ہر متکبر سرکش کے دل پر۔"

اس معاملے میں جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں وسیع القلب واقع ہوا ہوں اس لیے کہ اگر میری مخالفت کرنے والا مجھے فاسق یا کافر کہے یا مجھ پر جاہلیت وعصبیت کی بنا پر جھوٹ باندھتا ہے تو میں اللہ کی حدود پار نہیں کرتا بلکہ میں اپنے افعال واقوال میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتا ہوں۔ عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، اپنی بات کی تائید میں اللہ کی نازل کردہ اس کتاب سے دلیل لاتا ہوں جسے اللہ نے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے اور ان کے باہمی اختلافی مسائل کے لیے حاکم بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ [البقرة:٢١٣]

"(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلافات کرنے لگے) تو اللہ نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا فیصلہ کر دے۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ [النساء:٥٩]

"اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس (اختلاف میں) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔"

فرمان ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

"ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دیکر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔" [الحدید:٢٥]

میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص تمہارے بارے میں اللہ کی نافرمانی کرے اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس انسان کے بارے میں تم اللہ کی اطاعت کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ الَّذِیۡنَ ھُمۡ مُّحۡسِنُوۡن [النحل:۱۲۸]

''اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور جو لوگ اچھائی کرنے والے ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُھُمۡ شَیۡئًا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ

''اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی چال تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' [آلِ عمران:۱۲۰]

اور اگر وہ (میرے مخالفین) عقلی و نقلی دلائل کا انکار کرنا چاہیں تو میں ان کو جواب دیتا ہوں۔ اور ایسی وضاحت اور صراحت کے ساتھ مکمل جواب دیتا ہوں کہ ہر عام و خاص کی سمجھ میں وہ بات آجاتی ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ عقل و فطرت کے موافق ہے۔ کتاب و سنت اور اجماع سلف کے مطابق ہے۔ جبکہ میرا مخالف واضح معقول اور صحیح منقول کا مخالف ہے اگر میں ہی انکار کی ابتداء کرتا اور ان کی طرح بات کرتا تو دلائل کا رخ انہی کی طرف ہوتا اب کہ انکار و مذمت کا آغاز کسی اور نے کیا ہے۔ (تو میں دلائل اس کے خلاف کیوں نہ دوں؟)

وَ لَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ ظُلۡمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیۡھِمۡ مِّنۡ سَبِیۡل [الشوریٰ:۴۱]

''اور جس پر ظلم ہوا اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کچھ الزام نہیں۔''

وَ لَقَدۡ سَبَقَتۡ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۞ اِنَّھُمۡ لَھُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ

''اور اپنے پیغام پہنچانے والے پیغمبروں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہی (مظفرو) منصور ہوں گے۔ اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔'' [الصافات:۱۷۱-۱۷۳]

اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡاَشۡھَادُ

''ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں (بھی) اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔'' [غافر:۵۱]

والسلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاته

(مجموع الفتاوی ابن تیمیہ رحمہ اللہ ج۳ ص ٥٤٢)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مُقَدِّمَۃ

(دارِ ارقم)

الحمد للہ و کفی و الصلاۃ علی المصطفیٰ و بعد

اللہ نے میری عمر شاید اس لیے طویل کی ہے کہ میں اس کتاب کی اشاعت دوبارہ کر سکوں۔ جبکہ پہلی اور اس دوسری اشاعت کے درمیان ایک عشرے یا کچھ زیادہ سالوں کی مدت ہے۔ یہ کام ایسا تھا کہ جس کے لیے اللہ نے ہی آسانی پیدا کردی ورنہ یہ آسان کام نہ تھا۔ گذشتہ صدی میں جو درندگی شروع ہوئی اور جس کی حقیقت وہ لوگ جانتے ہیں جو اس میں موجود تھے اور اس کی تپش سے جھلس چکے ہیں۔ اس دوران بھی کچھ دوست احباب کی نہایت مہربانی تھی کہ یہ کتاب شائع کرنا ممکن ہوا کہ انہوں نے اپنا وقت دیا۔ اس کی تحقیق و مراجعت نصوص اور حوالوں میں تعاون کیا۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

کتاب کا موضوع ایسا ہے کہ اس پر زمانے گزر جائیں یہ پرانا نہیں ہوتا اس لیے کہ ایمان کا معنی ہے عقیدے کی پختگی اور دین کو خالص کرنا۔ کسی شخص کا ایمان اس کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتا۔ ایمان کی سمجھ۔ اس کے حدود، اجزاء وہی ہوں جو سلف صالحین کی سمجھ کے موافق ہوں اور اس کے موافق ہوں جو ہمیں اہلسنت والجماعت (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے وراثت میں ملا ہے یہ دین کے وہ امور ہیں جن کے حصول اپنائے رکھنے پر انسان کو ثواب ملتا ہے۔ جس طرح کہ اس سمجھ اور اہل بدعت کے مفاہیم کے درمیان فرق کرنا ضروریات ایمان میں سے ہے تاکہ انسان اس کے ذریعے سے اپنی حفاظت کر سکے شیطان سے اور اس کے ساتھیوں سے جو جنوں اور انسانوں میں سے ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کی نظروں میں بدعت کو مزین کرتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ اس بدعت میں اس

طرح گرتے ہیں جس طرح پتنگے آگ پر گرتے ہیں۔ یہ بہت برا کام ہے جو یہ لوگ کررہے ہیں۔ چونکہ ایمان کے گرد بدعی افکار کا جال بنا جا چکا ہے چنانچہ ہم نے اس کتاب میں مرجئہ اوران کے نقش قدم پر چلنے والوں کے شبہات کو بھی ذکر کیا ہے جن کا کہنا یہ ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور تصدیق کا مقام دل ہے۔ خصوصاً ان کتاب (جس کا ردّ لکھا ہے) جوان درندگی والے سالوں میں نوجوانوں کے اس طبقے میں زیادہ پھیلائی گئی تھی جو اخوان المسلمین کی فکر سے متاثر تھے یا اسے اپنائے ہوئے تھے۔ وہ کتاب تھی "دعاة لا قضاة" (داعی نہ کہ قاضی) ہم نے اپنی اس کتاب میں اس بات کی وضاحت کی ہے جسے سمجھنے سے ان کی عقلیں عاجز تھیں یا ان کی خواہشات انہیں راہِ حق سے ہٹا چکی تھیں۔ ہم نے اس کتاب میں خوارج کے اقوال کا بھی تعاقب کیا ہے جنہوں نے لوگوں کو کافر قرار دینا ہی اپنا دین بنالیا تھا (ہم اس عمل سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں)۔

(ہم اپنی بات کے ثبوت کے لیے) کہ ان سالوں میں کیا کچھ اچھا یا بُرا ہوا بطور مثال کے پیش کرتے ہیں ان لوگوں کو جنہیں جماعت المسلمین کہا جاتا تھا کہ یہ شکری مصطفیٰ کے پیروکار تھے یہ ان خوارج کا نچوڑ تھے جن سے رسول ﷺ نے خبردار کیا تھا۔ اس بات میں شک نہیں ہونا چاہیے کہ یہ امور (جو ہم اس کتاب میں ذکر کریں گے) ہمارے دین وعقیدے کی بنیاد ہیں لہٰذا ان کا بیان کرنا واجب ولازم ہے ان کا دفاع کرنا ضروری ہے ان لوگوں کے مقابلے پر جو انہیں باطل قرار دیتے ہیں یا انہیں بےکار سمجھتے ہیں۔ اللہ سے ہی خیر کی توفیق کی دعا ہے کہ وہ سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر طارق عبدالحلیم حفظہ اللہ

۹ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ ۲۸ مئی ۲۰۰۴ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پہلی اشاعت کا مقدمہ

ان الحمد للّٰہ نستعینہ و نستغفرہ ، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ، و من یضلل فلا ھادی لہ ، و نشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ ❶ وحدہ لاشریک لہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ ﷺ، و بعد فان خیر الکلام کلام اللّٰہ و خیر الھدی ھدی محمد ﷺ و شر الامور محدثاتھا و کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ: اما بعد:

اللہ نے مومنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں جماعت کے ساتھ وابستہ رہیں ۔تفرقہ و اختلاف کی اللہ نے مذمت کی ہے اپنی کتاب میں بھی اور رسول اللہ ﷺ کی زبانی بھی ۔فرمان رب العالمین ہے۔

وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا [آل عمران:۱۰۳]

''اور اللہ کی اس رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں تفرقہ مت پیدا کرو۔''

طبری رحمہ اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے نقل کرتے ہیں کہ اس آیت میں جماعت بندی کا حکم ہے۔

[طبری:ج٤ ص:۳۰]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡہُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ

''یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اور دیگر راستوں پر مت چلو ورنہ وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستے سے جدا کر دیں گے۔'' [الانعام:۱۵۳]

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی پھر فرمایا یہ میرا راستہ ہے۔ پھر اس لکیر کے دائیں اور بائیں کچھ اور لکیریں کھینچیں پھر فرمایا یہ دوسرے بہت سے

---

❶ و اشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ واحد متکلم کا صیغہ احادیث میں آیا ہے (السامرودی)

راستے ہیں جن میں سے ہر ایک پر شیطان بیٹھا اس راستے کی طرف بلا رہا ہے۔پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی فرمائی۔'' [ابن ماجۃ،دارمی]

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں آیت میں لفظ ''السبل'' عام ہے اس میں یہودیت،نصرانیت، مجوسیت اور دیگر مذاہب وادیان، بدعتی، گمراہ اور خواہشات کے تابع فروعی مسائل میں شاذ مذہب اختیار کرنے والے سب شامل ہیں۔

[القرطبی ج۷ ص:۱۳۸]

چونکہ اللہ کا فیصلہ اٹل ہے۔اس کے کلمات (احکام وفیصلوں) میں تبدیلی نہیں ہوتی چنانچہ امت مسلمہ فرقوں میں تقسیم ہوگئی جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی اور رسول اللہ ﷺ نے خبردار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ لَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ،اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّکَ وَ لِذٰلِکَ خَلَقَھُمۡ [ھود:۱۱۹]

''اگر تیرا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔یہ ہمیشہ اختلاف کریں گے مگر جس پر تیرا رب رحم کرے اسی لیے ان کو پیدا کیا ہے۔'' ❶

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

''تم ضرور اپنے سے پہلے والوں کے طریقوں پر چلو گے۔بالشت بہ بالشت، ہاتھ بہ ہاتھ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے بل میں داخل ہوگا تو تم بھی داخل ہوگے اگر ان میں سے کوئی شخص شارع عام پر اپنی بیوی سے جماع کرتا تھا تو تم بھی کروگے۔'' [مستدرك حاكم]

دوسری جگہ ارشاد ہے۔''بنی اسرائیل ۷۱ فرقوں میں تقسیم ہوئی تھی اور میری امت ۷۲ فرقوں میں بٹ جائے گی سب کے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے اور وہ جماعت ہوگی۔''

---

❶ :لَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ کے بارے میں دو قسم کی آراء ہیں:① اس سے مراد ہے دین کے اصولوں میں باہم اختلاف جیسے یہود، نصاریٰ ② یہ اہل بدعت کے بارے میں ہے کہ اصولوں میں تو متفق ہیں مگر آراء میں اختلاف کرتے ہیں اس لحاظ سے پھر اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّکَ سے مراد اہل سنت ہوں گے (الاعتصام للشاطبی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۱٦٦ تا ۱۷۲)

[ابن ماجہ: اس حدیث کی متعدد روایات میں فرقوں کی تعداد مختلف بتائی گئی ہے شاطبی رحمہ اللہ نے ان میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اس کے لیے الاعتصام للشاطبی ج ۲ ص ۲۴۰ دیکھیں]

رسول ﷺ کا ایک اور فرمان ہے۔ ''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا اس کی مخالفت کرنے والے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے نہ اس کو ذلیل کرنے والے ایسا کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ اسی (حق) پر رہے گا۔'' [مسلم]

اس سے یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرقہ ناجیہ حق پر رہنے والا گروہ حق کو پہنچاننے والا گروہ ہے ان کی اتباع واجب ہے۔ یہ وہی گروہ ہے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہے۔ جیسا کہ اسی حدیث کی دیگر روایات میں آیا ہے۔ یہ فرقہ ناجیہ وہی ہے جس نے کتاب وسنت کے نصوص ودلائل کو اپنایا ہے ان نصوص کے سمجھنے میں وہ فہم سلیم اور نظر صحیح کے اصولوں کی پیروی کرتے ہیں (نظر منطق کی اصطلاح میں کہتے ہیں معلومات کے مجموعے سے صحیح نتیجہ اخذ کرنا۔ مترجم) اور ان نصوص کا عرب کے طرز خطاب وطریقہ تکلم اور لغت کے مطابق مفہوم اخذ کرتے ہیں اسی طرح شریعت کے مقاصد کے مطابق نصوص کا مطلب سمجھتے ہیں سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ رہا۔ اس فرقے نے (دینی) امور میں ایسا نقطۂ نظر اپنایا کہ جس سے اہل سنت والجماعت کے مسلک نے ہی صحیح مفہوم برآمد کیا۔ جبکہ دیگر لوگوں کو فکری مشکلات سمجھنے میں زمانے گزر گئے تھے ۔ ان فکر امور کو سمجھنے میں لوگوں کے دو گروہ بن گئے ہیں۔ ایک افراط میں دوسرا تفریط میں مبتلا ہے۔ جبکہ ان کے درمیان وہ عادل لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّ سَطًا [البقرة:۱٤۳]

''ہم نے تمہیں امت وسط (درمیان کی غیر جانبدار) بنایا ہے۔''

تفرقہ اور اختلاف کا نتیجہ یہ نکلا کہ فہم وفکر میں خلل پیدا ہوا اس سے اسلام میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے ان میں کچھ تو عقائد کی بنیاد پر بنے اور کچھ سیاسی [1] ان فرقوں نے اہل اسلام کو بھی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا انہیں گروہ در گروہ بنا دیا جبکہ ہر گروہ اپنے مذہب پر خوش ہے (مطمئن ہے) یہ جتنے بھی فرقے ہیں یہ یا تو تفریط کی طرف

---

[1] الفرق بین الفرق بغدادی الملل والنحل ابن حزم وغیرہ کتب دیکھنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ کیسے شیطان نے ان لوگوں کے ساتھ کھیل کھیلا ہے کہ انہوں نے اپنا دین ٹکڑے کر دیا اور گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

گئے ہیں جیسے مرجئہ اور یا افراط میں مبتلا ہیں جیسے خوارج، ان فرقوں کو حق کی راہ سے ہٹانے میں اہم سبب سیاسی تھا کہ سیاسی نظریات میں ان کے آپس میں اختلافات شروع ہوئے تھے۔تمام اہل بدعت اور خواہشات کے پیروکاروں کا یہی طریقہ ہوتا ہے وہ اسی طریقے سے نصوص کو اپناتے ہیں اور اپنے بیمار ذہن کے مطابق ہی اس کا مفہوم اخذ کرتے ہیں نصوص کو اس بنیادی سوچ کے تابع کرتے ہیں جو انہوں نے شروع میں اپنایا ہوتا ہے پھر یہ نصوص کو اپنے نظریات پر محمول کرتے ہیں تاکہ ان سے اپنی فکر کی تائید حاصل کرسکیں اس طرح یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ شارع کے مقرر کردہ مقصد کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مقصد ان نصوص سے حاصل کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىِ اللهِ وَ رَسُوْلِه [الحجرات:۱]

''ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے مت بڑھو۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔ایک قوم نے پہلے کچھ معانی ومفاہیم کا عقیدہ بنایا پھر قرآن کے الفاظ کو ان پر محمول کرلیا۔دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے قرآن کی تفسیر صرف عربی لغت و گرامر سے کرنے کی کوشش کی ہے۔قرآن نازل کرنے والے (اللہ) کے مقاصد کو سامنے نہیں رکھا۔اور نہ ہی قرآن جس پر نازل ہوا ہے (محمد ﷺ) ان کے مقصد کو مدنظر رکھا ہے۔پہلے گروہ نے اپنی سمجھ کے مطابق معنی کرلیا مگر الفاظ قرآن جس وضاحت اور دلالت کے مستحق تھے ان پر غور نہیں کیا۔جبکہ دوسرے گروہ نے صرف الفاظ کا خیال رکھا کہ عربی زبان کی رو سے ان کا کیا مطلب بنتا ہے یہ نہیں دیکھا کہ سیاق کلام کا کیا تقاضا ہے اور (قرآن لانے والے بیان کرنے والے محمد ﷺ) کا مقصد کیا ہے؟۔ [مقدمه اصول التفسير ابن تيمية رحمہ اللہ ص: ۸]

یہ طریقہ (قرآن کی تفسیر کا) غلط ہے۔اس لیے کہ اس طریقے پر قرآن کی تفسیر کرنے سے قرآن وسنت میں توافق ومطابقت پیدا نہیں ہوتی۔یہی وجہ ہے کہ ان گروہوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے جو کچھ آیات یا احادیث سے اعراض نہ کر چکا ہو وہ آیات واحادیث جو ان کے مسلک سے میل نہیں کھاتیں۔جبکہ انہیں اس بات سے بھی کوئی دلچسپی نہیں کہ یہ ان نصوص کی مطابقت دوسرے نصوص سے پیدا کرلیں تاکہ ایک مفہوم سامنے آسکے اور صحیح نتیجہ برآمد ہوسکے۔اور اس آیت کے مصداق نہ بنیں۔

كَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَى الۡمُقۡتَسِمِيۡنَ، الَّذِيۡنَ جَعَلُوا الۡقُرۡاٰنَ عِضِيۡنَ [الحجر:۹۱]

''جس طرح ان لوگوں پر نازل کیا جنہوں نے تقسیم کر دیا یعنی قرآن کو (کچھ ماننے والے اور کچھ نہ ماننے والے) ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔''

طبری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ضحاک رحمہ اللہ سے یہ معنی روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے جس طرح اونٹ کو کاٹ کر کرتے ہیں انہوں نے کتاب کو مختلف حصے بنا دیا اور جس کے پاس جو ہے وہ اسی پر خوش ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے۔ ﴿فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِيَعًا﴾ ''جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہ بن گئے۔'' [طبری ج ۱٤ ص ٦٤]

شاطبی رحمہ اللہ نے اہل بدعت اور خواہشات کے پیروکاروں اور غلط سوچ وفہم رکھنے والوں کی اقسام لکھی ہیں اور پھر مسلک حق صحیح فہم والی جماعت کی بھی نشان دہی کی ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب ''الاعتصام'' فرماتے ہیں۔ ''پختہ علم لوگوں کا اتباع حق میں ایک طریقہ ہوتا ہے جس پر وہ چلتے ہیں جبکہ کج ذہن لوگوں کا طریقہ ان سے الگ ہوتا ہے۔ ہم نے ان لوگوں کا طریقہ بیان کرنے کا ارادہ اس لیے کیا کہ ہم اس سے اجتناب کر سکیں۔ اسی طرح ہم وہ طریقہ بھی واضح کریں گے جس پر پختہ علم لوگ چلتے ہیں تاکہ ہم اسے اپنا سکیں۔ [شاطبی ج۱ ص ۲۲۳]

سیدھے راستے کے نشانات تو واضح ہیں اللہ نے انہیں بیان کر دیا ہے ان لوگوں کے لیے جنہیں اللہ ہدایت اور توفیق دیتا ہے۔

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِىۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ [الانعام:۱۵۳]

''یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی اتباع کرو۔''

ہم یہاں اجمالاً اہل بدعت کے طرز عمل کا تذکرہ کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے مذہب کے لیے نظر اور استدلال میں اپنایا ہے ان کا یہ طرز عمل علماء اہل سنت نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ ان کا طریقہ وطرز عمل کمزور ضعیف اور جھوٹی احادیث پر اعتماد کرنا ہے۔ اور ان احادیث کو ردّ کرنا جو ان کے اغراض و مذہب کے موافق نہ ہوں ان احادیث کو ردّ کرنے کے لیے ان کے پاس دلیل یہ ہوتی ہے کہ یہ احادیث عقل کے خلاف ہیں یا دلیل

نہیں بن سکتیں اس طرح کے اعتراضات کے ذریعے سے اپنی رائے کے مخالف حدیثوں کو رد کرتے ہیں۔ یہ لوگ فروعی جزئی مسائل کو ان کے کلی قواعد کی طرف نہیں لوٹاتے متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں انہیں محکم آیات کی طرف نہیں لیجاتے۔ راسخین فی العلم کے طریقے کو نہیں اپناتے یعنی دلائل کے نصوص میں تطبیق دے کر سب کو قابل قبول بنایا جائے اگر ایک جگہ کوئی نص مجمل ہے تو دوسری جگہ اس کی وضاحت ہوچکی ہے اگر ایک جگہ نص میں عموم ہے تو دوسری جگہ تخصیص ہے۔

مجمل، مطلق اور عموم پر مخصصات، مقیدات اور مبینات کی طرف دیکھے بغیر عمل کرنا کجی اور ہلاکت کی طرف انسان کو پہنچادیتا ہے۔ اگرچہ ان باتوں کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے مگر ہم صرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ دونوں گروہ اللہ کے حدود میں افراط وتفریط اور حد سے تجاوز کا شکار ہیں اس لیے کہ انہوں نے سلف صالحین کا نصوص پر مبنی مذہب نہیں سمجھا۔ (اصول الفکر والنظر اہل السنۃ والجماعۃ کی بحث میں اس کی تفصیل آرہی ہے)

ہمارے اس موجودہ دور میں سب سے زیادہ اہم کام خاص کر اسلامی نقطہ نظر سے یہ ہے کہ عوام کے ذہنوں میں اسلام وایمان کی حقیقت کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوچکی ہیں ان کا ازالہ کرنا۔ جبکہ ہم پہلے بتاچکے ہیں کہ مذکورۃ الصدر دونوں فرقے، لوگوں کو اپنی طرف مائل کررہے ہیں (غلط فہمیاں یا التباس یہ ہے کہ) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام صرف کلمہ ہے جس نے بھی شہادتین کا اقرار کرلیا وہ اللہ کے نزدیک مسلمان ہے لہٰذا اب کوئی بھی عمل اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاسکے گا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اعمال جتنے بھی ہیں چاہے فرض ہیں یا نفل سب کے سب اسلام کی ادنیٰ حد میں داخل ہیں جس نے ان میں سے کوئی فرض یا نفل ترک کردیا یا کسی حرام فعل یا مکروہ کا اس کی حرمت وکراہیت کا علم ہونے کے باوجود ارتکاب کیا تو اس نے اللہ کے ساتھ کفر کرلیا (نعوذ باللہ) یہ دونوں آراء دراصل اس کج فہمی کا نتیجہ ہیں جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ اس معاملے میں ہمارا فیصلہ فکر اسلامی کا سب سے بہترین اور مثالی فیصلہ ہو۔ ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں ایمان کی صحت کے لیے اعمال لازم ہیں اتنی مقدار میں عمل ضروری ہے کہ جس سے آدمی مسلمان بن سکے۔ ایک مقدار کا کرنا واجب ہے اور ایک مقدار کا ترک کرنا واجب ہے تاکہ ظاہری وباطنی ایمان ثابت ہو یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جو آج کے داعیان اسلام کہلانے والوں کی عقلوں میں واضح نہیں ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے یا تو نصوص کو

باہم خلط کیا ہے۔ یا کج فہم لوگوں کے منہج کو اختیار کیا ہے جس کی وجہ سے وہ ایسے نتائج وعواقب کی طرف گئے ہیں کہ جو زیادہ تر ان فرقوں کے نتائج سے مشابہ ہیں جو مختلف ادوار میں اہل السنۃ والجماعۃ سے علیحدہ ہوتے رہتے ہیں، شرعی دلائل کی روشنی میں ہم عنقریب تنقیدی وتحقیقی نظر ڈالیں گے افراط وتفریط کرنے والے دونوں فرقوں پر جن کے بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سچ کہا کہ ان دونوں مذاہب کے دلائل کا اس کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں کہ وہ دوسرے مذہب کو گرانے کا فائدہ دیتے ہیں۔ سلف میں سے کسی نے کہا ہے کہ اللہ نے جب بھی کوئی حکم دیا ہے تو شیطان نے اس حکم کے بارے میں لوگوں کو دو طرح سے ورغلایا، یا تفریط کے یا افراط کے لحاظ سے جبکہ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کس طرح پر کامیاب ہوا زیادتی پر یا کمی پر۔ (مدارج السالکین ابن قیم رحمہ اللہ ج ۲ ص ۱۰۸)

اللہ کا کرم اور فضل ہے کہ اس نے ہماری رہنمائی صحیح مسلک۔ مسلک اہلسنت والجماعت کی طرف کر دی ہے جو کہ ان کی آراء اور خواہشات کے درمیان کا مذہب ہے (ان میں سے کسی کی طرف مائل نہیں) اللہ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دے دیتا ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی رسی (قرآن) کو تھامے رکھنے کی توفیق دے اور اپنی دی ہوئی ہدایت پر قائم رکھے وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اے اللہ زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے والے غیب وحاضر کو جاننے والے تو اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں تو ہی ہدایت دیتا ہے صراط مستقیم کی جسے چاہتا ہے۔

((پہلا باب: ضروری تفہیمات))

((پہلی فصل))

اسلام اور ایمان

قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ میں غور کرنے والا ہر شخص جان سکتا ہے کہ اسلام اور ایمان دونوں الفاظ ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہیں، مترادف الفاظ ہیں ایک ہی چیز پر دلالت کرتے ہیں جبکہ بعض آیات واحادیث میں یہ الفاظ ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل نہیں ہیں بلکہ ان میں مغایرت ہے ان میں سے ایک لفظ جس معنی پر دلالت کرتا ہے دوسرا اس پر دلالت نہیں کرتا۔ سلف صالحین نے اس مسئلے پر گفتگو کی ہے ان کی کتابیں اس مسئلے کے حل پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ہم اپنی کتاب میں اس مسئلے پر پہلے کتاب وسنت کے دلائل ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ، پھر تمام شواہد ودلائل جمع کر دیں گے تا کہ صحیح فہم تک پہنچ سکیں کہ جن سے سارے معانی باہم مربوط ومرتب ہوں ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح واضح ہوں اور ان نصوص کا باہمی اختلاف ختم ہو جائے یہ روشن شریعت کے نصوص ہیں ان میں باہم اختلاف نہیں ہوتا۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلاَ فًا کَثِیْرًا [النساء:۸۲]

”اگر یہ (قرآن) اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔“

① کچھ آیات واحادیث ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام جسم کے ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان دل کے باطنی اعمال کا نام ہے اس طرح یہ دونوں الفاظ باہم مغایر بن جاتے ہیں (متحد المعنیٰ نہیں رہتے) جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰکِنْ قُوْلُوْآ اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ [الحجرات:۱٤]

”اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہو تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم اسلام لائے

ہیں اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث ہے: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں:

''ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نمودار ہوا بہت ہی سفید کپڑے اور انتہائی کالے سیاہ بال تھے۔اس پر سفر کے بھی اثرات نہیں تھے اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہنچانتا تھا۔آکر وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ دیئے، کہنے لگا اے محمد ﷺ مجھے اسلام کے بارے میں بتلایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (اسلام یہ ہے کہ) تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرے، زکاۃ دے رمضان کے روزے رکھے اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔اس نے کہا آپ نے سچ کہا۔ہمیں حیرت ہوئی کہ سوال بھی کر رہا ہے اور تصدیق بھی خود ہی کر رہا ہے۔پھر اس نے کہا مجھے ایمان کے بارے میں بھی بتلایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (ایمان یہ ہے کہ) تو ایمان لائے اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر اور تو تقدیر پر ایمان لائے چاہے اچھی ہو یا بری۔اس نے کہا آپ نے سچ کہا پھر اس نے کہا مجھے احسان کے بارے میں بتلائیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا، احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔'' [صحیح مسلم]

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کون سا اسلام بہتر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو (لوگوں کو) کھانا کھلائے اور جسے تو جانتا ہے یا نہیں جانتا سب کو سلام کرے۔''

عبداللہ بن عبید بن عمیر اپنے باپ کے توسط سے اپنے دادا سے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

''رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کھانا کھلانا اور اچھی گفتگو کرنا (سوال ہوا کون سا ایمان بہتر ہے؟ آپ نے جواب دیا صبر اور درگزر کرنا)''

[الالبانی نے اسے صحیح کہا ہے۔حدیث عمرو بن عبسۃ رضی اللہ عنہ ۴/۳۸۵ حدیث عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ ۵/۳۱۸،۳۱۹]

② جس طرح آیات واحادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری اعمال، معنی اسلام میں داخل ہیں اسی طرح ایسی آیات واحادیث بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ باطنی اعمال، ایمان کے معنی میں داخل ہیں۔ مثلاً اللہ کا فرمان ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ[الحجرات:۱۵]

''مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے اور پھر شک نہیں کیا اور جہاد کیا اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے یہی لوگ سچے ہیں۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایمان کی ستر (۷۰) یا ساٹھ (۶۰) سے زیادہ شاخیں ہیں ان میں سب سے افضل ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے اور، حیاء بھی ایمان کی شاخ ہے۔''[شرح نووی مسلم: ج ۲/۳]

وفد عبدالقیس والی حدیث میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''میں تمہیں چار باتوں کا حکم کرتا ہوں۔ ایک اللہ پر ایمان لانا، کیا تم جانتے ہو ایمان باللہ کیا ہے؟ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور غنیمت کے مال میں سے خمس دینا۔''[نووی شرح مسلم: ج ۱/۱۸۱]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اسلام کے کچھ ٹیلے اور نشانِ راہ ہیں جیسا کہ تمام راستوں پر ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک اللہ پر ایمان لانا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا، امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنا، اپنے گھر والوں کو سلام کرنا جب گھر میں جاؤ اور جب لوگوں کے پاس سے گزرو تو انہیں سلام کرنا جس نے ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ دیا تو اس نے اسلام کا ایک حصہ چھوڑ دیا اور جس نے ان سب کو چھوڑ دیا تو اس نے

اسلام کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا۔‘‘

[الالبانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے،شرط الشیخین راجع الإیمان لأبی عبید ص ۱۱]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامِ﴾[آل عمران:۲۹]

③ اس طرح کی بھی آیات واحادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان مترادف الفاظ ہیں (ایک معنی پر دلالت کرتے ہیں) مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ

’’ہم نے اس (بستی) میں سے نکال دیے جو بھی مومن تھے ہم نے اس میں نہیں پایا سوائے ایک گھر مسلمانوں کے۔‘‘[الذاریات:۳۶،۳۵]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

’’قیامت کے دن اعمال آئیں گے۔نماز آئے گی کہے گی اے پروردگار میں نماز ہوں۔ اللہ فرمائے گا تو بھلائی پر ہے۔صدقہ آئے گا کہے گا اے رب میں صدقہ ہوں اللہ فرمائے گا تو بھلائی پر ہے۔پھر روزہ آ کر یہی کہے گا اللہ اس کو یہی جواب دے گا پھر دیگر اعمال آئیں گے اور سب یہی کہیں گے اللہ انہیں یہی جواب دے گا کہ تم بھلائی پر ہو پھر اسلام آئے گا کہے گا اے رب تو سلام ہے میں اسلام ہوں۔اللہ جواب دے گا تو بھلائی پر ہے تیری بنیاد پر میں آج مواخذہ کروں گا اور تیری ہی بنیاد پر عطا کروں گا۔‘‘[رواہ :احمد]

مذکورہ بالا تمام آیات واحادیث کہ جن میں سے بعض اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام الگ چیز ہے اور ایمان الگ اور بعض آیات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں تو ان میں تطبیق کی صورت ابن رجب رحمہ اللہ کے بقول یہ ہے کہ جب ان میں سے صرف ایک کا ذکر ہو تو دوسرا اس میں داخل ہوتا ہے۔جب ایک کو اکیلا ذکر کیا جائے تو دوسرے پر بھی وہ دلالت کرتا ہے۔اور جب دونوں کو ساتھ ذکر کیا جائے تو ایک علیحدہ معنی پر دلالت کرے گا جس پر کہ وہ اکیلا دلالت کرتا تھا اور بقیہ پر دوسرا لفظ دلالت کرے گا۔[رواہ :احمد]

اس کے بعد ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ مطلب ومعنی ائمہ کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ابوبکر

اسماعیل رحمہ اللہ کہتے ہیں بہت سے اہل سنت والجماعت نے کہا ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور اسلام ان افعال کو کرنے کا نام ہے جن کا کرنا اللہ نے انسان پر فرض کر دیا ہے جب ان میں سے ایک الگ ذکر ہوگا تو دوسرے کو شامل ہوگا۔ کسی نے کہا ہے کہ مسلمین اور مؤمنین دو الگ لفظ ہیں ان میں سے ایک سے وہ معنی مراد ہوتا ہے جو دوسرے سے نہیں ہوتا۔ جب ان میں سے ایک کا ذکر ہو تو یہ عام ہوتا ہے اور سب کو شامل ہوتا ہے ۔الخطابی رحمہ اللہ نے بھی معالم السنن میں یہی معنی ومطلب بیان کیا ہے۔ اور اس کے بعد علماء کی ایک جماعت نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔[جامع العلوم ابن رجب ص:٢٦]

پھر کہتے ہیں کہ ان دونوں میں یہ فرق بہت سے سلف سے منقول ہے جن میں قتادہ، داؤد، ابن ابی ھند، ابوجعفر الباقر، الزھری، حماد بن زید، ابن مھدی، شریک، ابن بی ذئب، احمد بن حنبل، ابوخیثمہ، یحیی بن معین وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔ اس طرح اس مسئلے میں پایا جانے والا اختلاف بھی زائل ہوجاتا ہے لہٰذا یوں کہا جائے گا کہ جب اسلام اور ایمان میں سے کسی ایک کا ذکر ہوگا تو دونوں میں کوئی فرق نہ ہوگا اور اگر دونوں کا ایک ساتھ ذکر ہوگا تو پھر دونوں میں فرق ہوگا۔ فرق کرتے وقت یہ تحقیقی بات ملحوظ رکھی جائے گی کہ ایمان سے دل کی تصدیق زبان کا اقرار اور اس کی معرفت مراد ہے۔ جبکہ اسلام کا معنی ہے بندے کا اللہ کو تسلیم کرنا اس کے لیے عاجزی کرنا اس کے لیے جھکنا۔[جامع العلوم ابن رجب ص:٢٦]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی تفسیر دل کے ایمان اس کے خضوع وعاجزی کے ساتھ کی ہے وہ یہ کہ اللہ، فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تفسیر کرتے ہوئے تسلیم کرنے کو اسلام کہا ہے جو کہ پانچ بنیادیں ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پورے کلام میں ایمان کی اس طرح تفسیر کی اور اسلام کی یہ تعریف کی ہے۔[الایمان: ابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ٢٢٤]

کہتے ہیں۔ جب لفظ ایمان کو اسلام کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جائے تو پھر ایمان دل میں ہوتا ہے اور اسلام ظاہر (اعمال) کو کہا جائے گا۔ [مجموع الفتاوی ابن تیمیہ رحمہ اللہ ج٧/٥٥٣]

ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ خلاصہ ہے اس موضوع پر کی گئی گفتگو کا اور اسی طرح اختلاف بھی ختم ہوسکتا ہے جیسا کہ ابن رجب نے کہا ہے کہ دونوں طرح کے دلائل میں تطبیق پیدا کی جائے۔ اہل سنت کے نزدیک اصول نظر

سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام نصوص کو (تطبیق دے کر) اپناتے ہیں۔ پھر لفظ ''الدین'' ان سب کو اپنے اندر شامل کرنے والا ہے۔فقہ اکبر کے شارح کہتے ہیں۔ دین ایسا لفظ ہے جو ایمان، اسلام اور تمام شرائع کو شامل ہے یعنی تمام احکام اسی لفظ میں آجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب لفظ ''الدین'' بولا جائے گا تو اس سے مراد ہوگا تصدیق، اقرار اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے احکام کو قبول کرنا۔[شرح فقه اكبر ملاعلی قاری ص ۷۳]

امام بغوی رحمہ اللہ شرح السنۃ میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام ظاہری اعمال کو کہا ہے اور ایمان باطنی اعتقاد کو مگر یہ (فرق) اس لیے نہیں ہے کہ اعمال، ایمان میں سے نہیں ہیں اور تصدیق بالقلب، اسلام میں سے نہیں ہے بلکہ یہ دراصل تفصیل ہے اس بات کی کہ یہ سب ایک ہی ہے ان کے مجموعے کا نام ''الدین'' ہے۔[ابن تیمیه رحمہ اللہ۔الایمان ص ۳۱۱]

بغوی رحمہ اللہ نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اس مسئلے کی بہترین تفسیر ہے یہ تقسیم صرف اصطلاحی ہے ورنہ حقیقت دیکھی جائے تو ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا۔ دل کی تابعداری کا لازمی نتیجہ عمل ہے۔ جیسا کہ عمل دل کی اتباع سے ہی وجود میں آتا ہے۔ یہ اس لیے ہے تاکہ ظاہر و باطن میں تلازم و توافق صحیح ہو۔ جیسا کہ اصول میں ثابت ہو چکا ہے۔[الموافقات، شاطبی رحمہ اللہ: ج ۱]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس طرح جہم اور اس کے پیروکاروں کی خطا ظاہر ہو جاتی ہے ان کے خیال میں صرف (قلبی) ایمان، ظاہری ایمان کے بغیر بھی آخرت میں فائدہ دے گا جبکہ یہ ناممکن ہے اس لیے کہ مکمل ایمان اس وقت تک دل میں نہیں آسکتا جب تک حسب طاقت ظاہر میں نہ آجائے۔ ❶ (جیسا کہ) یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کسی سے بہت زیادہ محبت کرتا ہو اور اس سے ملنے کی بھی طاقت رکھتا ہو مگر اس کے لیے کوئی ظاہری حرکت نہ کرے۔[مجموع الفتاویٰ ابن تیمیه رحمہ اللہ ج ۷ ص ۵۵۳]

---

❶ ''ایمان'' تام (ایمان کامل) سے مراد وہ ایمان ہے کہ جس کا حامل جہنم میں ہمیشہ رہنے سے بچ جائے۔ بلکہ یہ ایمان کامل یا ایمان واجب نہیں ہے جیسا کہ لفظ سے وہم پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایمان تام کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ قدرت کے باوجود شہادتین کا عدم اقرار قلبی ایمان تام کی نفی کو مستلزم ہے[الایمان الاوسط ص ۹۵] یہ بھی سب جانتے ہیں کہ شہادتین کا تارک بالاجماع کافر ہے لہٰذا قلبی ایمانِ تام کی نفی کفر کو مستلزم ہے

فقہ اکبر کے شارح کہتے ہیں: کہ شریعت میں ایمان بلا اسلام نہیں پایا جاتا (معتبر نہیں ہوتا) یعنی باطنی اطاعت ظاہری اطاعت کے بغیر نہیں پائی جاتی۔[شرح فقه اکبر ص:۷۲]

عقیدہ طحاویہ کے شارح کہتے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اور ایمان کا ایک ساتھ ذکر کرنا الگ بات ہے اور ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرنا دوسری بات ہے۔اسلام ایمان میں سے ہے جس طرح یہ کہ شہادتین ایک دوسرے میں سے ہیں۔رسالت کی گواہی وحدانیت کی گواہی سے الگ چیز ہے۔اگرچہ حقیقت میں دونوں ایک ہیں حکم اور معنی میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ایک ہی چیز کی طرح ہیں۔اسی طرح اسلام اور ایمان ہیں کہ جس کا اسلام نہیں اس کا ایمان نہیں۔جس کا ایمان نہیں اس کا اسلام نہیں۔مؤمن اسلام کے بغیر اپنا ایمان ثابت نہیں کرسکتا اور مسلمان ایمان کے بغیر اپنا اسلام صحیح نہیں کرسکتا۔ [شرح الطحاويه ص ۲۵۱]

((دوسری فصل))

ایمان قول وعمل ہے اس میں کمی بیشی ہوتی ہے

شرع میں ایمان ❶ کی تعریف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ربّ کے بارے میں جو بھی خبر دی ہے اس کی بالغیب تصدیق کرنا اور آپ ﷺ کی شریعت کی اطاعت کرنا اسے لازم پکڑنا۔

(مزید تفصیلات فصل ثالث میں آئیں گی۔ ان شاءاللہ) اس مسئلے میں بات کرنے کی دو بنیادیں ہیں۔

① ایمان قول وعمل کا نام ہے۔

② اس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

''پہلا اصول یا پہلی بنیاد کہ''

① ایمان قول وعمل کا نام ہے

اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان قول وعمل ہے یعنی دل، زبان اور اعضاء سے، عقیدہ طحاویہ کے شارح امام ابن ابی العز رحمہ اللہ کہتے ہیں ''یہاں ایک اور اصول بھی ہے اور وہ یہ کہ قول کی دو قسمیں ہیں۔

① دل کا قول جسے اعتقاد کہتے ہیں ❷ زبان کا قول اقرار کرنا یعنی زبان سے کلمہ اسلام ادا کرنا، اور عمل کی بھی

دو قسمیں ہیں دل کا عمل یعنی نیت اور اخلاص ہے اور دوسرا عمل ہے اعضاء کا [شرح عقیدہ طحاویہ ٢٤٥]

---

❶ ایمان کی لغوی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے کچھ علماء کے نزدیک ایمان تصدیق کا نام ہے جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ج١٠ص ٤٦ اور انورشاہ کشمیری نے فیض الباری ج١ص٤٤ اور صاحب المعارج نے ج٢ص٢٥ میں لکھا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ قول اپنی کتاب ''الایمان'' رد کیا ہے اور اس کے رد کی ١٦ وجوہات بیان کی ہیں اس میں شیخ الاسلام نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ ایمان تصدیق کو کہتے ہیں (ص:١٠٦) ہم یہ اختلاف تفصیل کے ساتھ نقل نہیں کر رہے نہ ہی ہم اس اختلاف میں دخل دیں گے اس لیے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس لفظ ایمان کا لغوی معنی تصدیق ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اب یہ لفظ شریعت میں منتقل ہو چکا ہے۔ اور جو لوگ اس کے نقل میں اختلاف کرتے ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں لہٰذا لغوی معنی شرعی معنی کے مطابق ہیں تو خلاصہ ایک ہی نکلتا ہے۔ والحمدللہ۔

❷ یہاں دل کے قول کو جو اعتقاد کہا گیا ہے تو اس سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس سے مراد ہے اعتقاد کا معنی التزام کو شامل ہونا جیسا⇐

صاحب معارج القبول کہتے ہیں: یہ بات یاد رکھیں۔اے میرے بھائی اللہ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو خیر کی توفیق دے۔ کہ وہ دین جو اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے بھیجا ہے اور اس کے ساتھ کتابیں نازل کی ہیں، زمینوں اور آسمانوں کے رہنے والوں کے لیے جسے پسند کیا اور یہ حکم دیا کہ صرف اسی کے مطابق عبادت کی جائے اور اس کے علاوہ کوئی اور دین کسی سے قبول نہیں کیا جائے گا اور اس دین سے وہی اعراض کرسکتا ہے جو بے وقوف ہو اس دین کو جس نے لازم پکڑ لیا تو اس سے بہتر دین کوئی نہیں یہ دین، دل وزبان سے قول اور دل، زبان اور اعضاء سے ''عمل'' کا نام ہے۔ [کتاب الصلاة ابن قيّم رحمہ اللہ ص ٢٤]

ان اقسام کی تفصیل اور وضاحت اس طرح ہے۔[عقیده طحاویه ص ٢٤٥،معارج القبول ج٢/١٧]

① **دل کا قول:** اس کا مطلب ہے کہ دل کی تصدیق اور اس کی اطاعت ورجوع (اللہ کی طرف) (یہ بات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ دل کے قول سے مراد وہ اعتقاد ہے جس میں تصدیق اور اطاعت شامل ہو)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ [الزمر:٣٣]

''اور جو شخص سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔''

دوسری جگہ فرمان ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا [الحجرات:١٥]

''مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے اور پھر شک نہیں کیا۔''

شفاعت والی حدیث میں ہے جہنم کی آگ سے نکالا جائے گا اس کو جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو گا اور اس کے دل

⇦ کہ بعد میں آنے والا ہے۔ یہاں اعتقاد یا قولِ قلب سے مراد صرف تصدیق نہیں ہے کہ خبر کی طرف یا خبر دینے والے کی طرف صدق کی نسبت کردی جائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے مراد تصدیق ہی ہے تو پھر خاص تصدیق مراد ہوگی جو اقرار، التزام اور اطاعت کو شامل ہے۔ اس لیے کہ دین سے خود بخود ہی سمجھ میں آجاتا ہے کہ جس نے اسلام کے احکام میں سے کسی حکم کی تصدیق کی مگر اس کا التزام نہ کیا (اطاعت نہ کی عملاً قبول نہ کیا) تو وہ مسلمان نہیں کہلائے گا اور یہ اعتقاد جو صرف تصدیق ہے اسے نجات نہیں دلا سکے گا جب تک کہ اس کے ساتھ اللہ کی اطاعت کا التزام نہ کیا ہو اور اس التزام کے بعد ہی مسلمان کہلا سکے گا یہاں تک کہ اگر اطاعت کرنا سستی یا خواہشات کی پیروی کی وجہ سے چھوڑ دیا ہو تب بھی اس کی تفصیل اس باب کی فصل ثالث میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

میں جو کے دانے کے برابر خیر ہوگا۔ [بخاری ومسلم]

② **زبان کا قول:** اس سے مراد زبان سے شہادتین ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا اقرار کرنا اور اس کے جو لوازمات ہیں ان کا اقرار کرنا ہے۔ ❶

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ [القصص:۵۳]

''اور جب (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے بے شک

---

❶ (یہاں ہم دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں:

① شریعت میں شہادتین کا وہ اقرار، معتبر ہے جس میں شہادتین کے معنی کا علم بھی ہو اور اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اور اس کے منافی امور کو ترک کیا جائے صرف لفظی اقرار نہیں ہے۔ ورنہ اس کے معنی سے لاعلمی زبانی قول کو قلبی قول کے منافی بنا دیتا ہے جبکہ علماء نے اجماع کیا ہے کہ اس کلمے کے معنی سے واقفیت ایمان کا رکن ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کے معنی سے واقفیت نہ ہو اور زبان سے اس کا اقرار کیا جائے؟

② شہادتین کے اقرار سے مراد اسلام پر دلالت کرنے والے کلمات کا اظہار ہے (صرف عربی الفاظ کی ادائیگی نہیں یہی وجہ ہے کہ)فارسی بولنے والا جو کہ عربی نہیں بول سکتا اس کا اسلام صرف اعلان اور تسلیم کرنے سے ثابت ہوجائے گا اگر وہ فارسی میں کہدے کہ ''میتر اس''یعنی میں نے تسلیم کرلیا اسی طرح اسلام پر دلالت کرنے والا کوئی بھی لفظ ہو وہ اس بات کے لیے کافی ہے کہ ادا کرنے والے کو شرک سے نکال دے اور کفریہ دین سے بری کردے۔ البتہ شہادتین کا اقرار بعض حالات میں معتبر ہوتا ہے جیسا کہ بت پرست ہیں ان کا صرف ''لا الٰہ الا اللہ'' کا اقرار ہی کافی ہے اس لیے کہ وہ اسلام لانے سے پہلے اس گواہی پر نہ تھے۔ جبکہ اہل کتاب جو کہ اس بات کے اقراری ہیں کہ آپ ﷺ عرب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں تو ان کے لیے صرف زبان سے کلمہ کی ادائیگی کافی نہیں ہے بلکہ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ بھی ساتھ میں اقرار کریں کہ محمد ﷺ سارے جہاں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کا معنی لکھا ہے اور وضاحت کی ہے فرماتے ہیں کہ جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اس کا مال محفوظ ہے اس بات کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ اعتبار کرلیا گیا کہ اس نے ایمان قبول کرلیا ہے جبکہ اس سے مراد مشرکین عرب اور بت پرست تھے انہیں سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی گئی اور ان سے اسلام کی وجہ سے قتال کیا گیا۔ ان کے علاوہ جو لوگ ہیں ان کا صرف توحید کا اقرار کافی نہیں ہے (جان ومال کی حفاظت کے لیے) کہ وہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کہہ دیں اس لیے کہ یہ تو وہ اپنی کفریہ حالت میں بھی کہتے تھے اور اُن کا اعتقاد بھی یہی تھا اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا میری رسالت کا بھی اقرار کریں نماز پڑھیں زکوۃ دیں وغیرہ [شرح نووی علی مسلم ج اص ۲۰۷] ⇦

وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ [الشوریٰ:۱۵]

''کہہ دو کہ میں ایمان لایا اس پر جو اللہ نے کتاب نازل کی ہے۔''

دل کا عمل: نیت، اخلاص، محبت، اطاعت اور توکل ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ [الانعام:۵۲]

⇐ یہی مطلب ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ نے المغنی میں بیان کیا ہے کہتے ہیں ۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص (اسلام لانے سے پہلے ہی سے) توحید کا اقرار کرنے والا ہو جیسے یہود تو اس کے اسلام کا حکم لگایا جائے گا (جب وہ صرف رسالت کا اقرار کرے) اس لیے کہ توحید تو پہلے سے اس کے پاس موجود ہے اور اب محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار بھی کر لیا تو اس کا اسلام مکمل ہو گیا۔ اور اگر کوئی شخص موحد نہیں تھا جیسے نصاریٰ و مجوسی اور بت پرست تو صرف (محمد رسول اللہ) کہنے سے مسلمان نہیں بنے گا جب تک اس کے ساتھ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی گواہی نہ دے۔ اس کے بارے میں بہت سی روایات ہیں اور یہی بات صحیح ہے اس لیے کہ جس نے دو چیزوں کا انکار کیا تو وہ انکار اس وقت زائل ہو گا جب وہ دونوں کا اقرار کر لے گا اور اگر اس طرح کے الفاظ ادا کرے۔ ''اَشْھَدُ اَنَّ النَّبِیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ'' تو ایسے آدمی کو مسلمان نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ ہو سکتا ہے وہ نبی سے مراد محمد ﷺ کے علاوہ کوئی اور نبی مراد لیتا ہو۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں بنو عقیل کا ایک آدمی مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا تو وہ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے اس نے کہا اے محمد (ﷺ) میں مسلم ہوں ۔ رسول ﷺ نے فرمایا اگر یہ بات تم اس وقت کہتے جب تم اپنے معاملات میں مختار تھے (قیدی بننے سے پہلے) تو تم مکمل طور پر فلاح پا لیتے ۔[مسلم] ہو سکتا ہے کہ یہ بات اس آدمی کے لیے ہو جو اصلی کافر ہو یا وحدانیت کا منکر ہو اور وہ شخص کہ جو کسی نبی یا فرض حکم کے انکار یا کتاب کے انکار کی وجہ سے کافر بنتا ہے تو وہ اس طرح کہنے سے مسلمان نہیں بن سکتا یعنی صرف یہ کہنے سے کہ میں مسلمان ہوں یا شہادتین کا اقرار کر کے۔ اس لیے کہ وہ جو بھی عقیدہ رکھے گا اسی کو اسلام کہے گا۔ اہل بدعت جتنے بھی ہیں سب کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ مسلمان ہیں حالانکہ ان میں سے کافر بھی ہیں۔[المغنی ج ۸ ص ۱۴۳]

بدائع الصنائع للکاسانی ج ۹ ص ۴۳۱۲ میں بھی یہی لکھا ہے۔ فقہ وعقائد کی کتابوں میں یہ معنی متواتر چلا آرہا ہے اگر چہ مذاہب سب کے مختلف ہیں مگر اس معنی پر اتفاق ہے۔ مثلاً ابن قدامہ حنبلی، امام نووی، شافعی، قاضی عیاض مالکی، اور الکاسانی حنفی رحمہم اللہ ہیں خلاصہ یہ ہے کہ زبان سے شہادتین کا اقرار اس وقت معتبر ہے جب اس کے اقرار سے اسلام پر دلالت ہوتی ہے مطلقاً ہر حال میں یہ اقرار معتبر نہیں ہوتا ۔ مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''التوحید'' ملاحظہ فرمائیں)

''ان لوگوں کو نہ دھتکارو جو اپنے ربّ کو صبح و شام پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡهِ اللّٰهِ [دھر:۹]

''ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں۔''

اللہ کا فرمان ہے۔

الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَ اِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا

''وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس (اللہ) کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ کرتی ہیں۔'' [الانفال:۲]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

((إنما الأعمال بالنيات)) [متفق عليه]

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

زبان اور اعضاء کا عمل

زبان کا عمل جیسا کہ تلاوتِ قرآن کرنا، ذکر کرنا وغیرہ اعضاء کا عمل جیسے نماز، زکاۃ، جہاد، حج، ❶

---

❶ کوفہ کے فقہاء امام ابوحنیفہ وغیرہ عمل کو ایمان میں داخل نہیں سمجھتے۔ ان کے اس اختلاف کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔

① ایمان کا لفظ صرف قول پر بولا جاتا ہے عمل پر نہیں۔ ② (الف) (ان کے خیال میں) ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ (ب) یہ کہتے ہیں کہ لفظ ایمان میں اعضاء کا عمل داخل نہیں ہے اس طرح انہوں نے لفظ ایمان تصدیق کا مرادف (ہم معنی) بنا لیا حالانکہ یہ خالص تصدیق ہے جس کے ساتھ زبانی اقرار اور اطاعت لازم ہے جیسا کہ ہم عنقریب ان کے ائمہ کے اقوال سے ثابت کر دیں گے، ان شاء اللہ، انہوں نے دراصل ایمان کے لغوی معنی پر توجہ دی ہے شرعی معنی کی طرف خیال نہیں کیا جبکہ بقیہ ائمہ نے ایمان کی وہ حقیقت مراد لی ہے جو شریعت کی اصطلاح میں مراد ہے۔ شریعت نے اس تصدیق کے ساتھ کچھ اوصاف اور شرائط کو بھی ملایا ہے۔ [شرح عقیدہ طحاویہ ص ۲۴۱] احناف نے اپنے دعوی کے ثبوت کے لیے کہ ایمان صرف تصدیق ہے عمل نہیں ہے قرآن کی آیت سے استدلال کیا ہے ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا﴾ (یوسف:۱۷) ''کہ آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے (ہمیں سچا نہیں مانیں گے)'' اس طرح دوسری دلیل یہ دی ہے کہ قرآن میں ایمان کو عمل صالح کے لیے بنیاد بنایا گیا ہے لہٰذا یہ دونوں معنوی لحاظ سے الگ الگ ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے

﴿اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ﴾ ''جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے عمل صالح کیے۔''

اعمال دراصل ایمان کا ثمرہ ہےاس کے لوازمات میں سے نہیں ہے ان کے اس نظریے کی بنیاد پر ان کی اصطلاح میں جسے ایمان کہا جاتا ہے وہ کمی بیشی کو قبول نہیں کرتا۔ البتہ قلبی یقین کے مراتب میں فرق ہوتا ہے جبکہ اصل ایمان یعنی تصدیق جو ہے وہ ایک محفوظ مرتبہ ہے۔ ہم یہاں اس بات کی تائید کے لیے ائمہ احناف کے اقوال ذکر کردیتے ہیں۔ فقہ اکبر کے شارح کہتے ہیں: زمینوں اور آسمان والے یعنی فرشتوں جنتیوں، انبیاء، اولیاء ودیگر نیک وگناہ گار مؤمنین کا ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔ یعنی مؤمن کے دل میں۔ اس لیے کہ تصدیق اگر حقیقتاً نہ ہوتو پھر وہ شک وظن کے مرتبہ پر آجاتا ہے جبکہ اعتقادات میں ظن فائدہ نہیں کرتا۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ ظن یعنی گمان حق سے کوئی کفایت نہیں کرتا۔ لہٰذا تحقیقی بات یہ ہے جیسا کہ رازی نے کہا ہے کہ ایمان کمی بیشی کو قبول نہیں کرتا جب ایمان بحیثیت تصدیق ہوتا ہے نہ کہ بحیثیت یقین کے ورنہ اہل یقین کے مراتب دین میں مختلف ہیں۔ [شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص: ۷۰، تفسیر کبیر للرازی ج: ۲ص: ۲۶]

پھر شارح اس کے بعد لکھتے ہیں۔ جو کچھ بیان ہوا اس کے لحاظ سے اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کا امت کے تمام مومنوں کے ایمان سے موازنہ کیا جائے تو...... ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان راجح ہوگا اس لیے کہ ان کا یقین دل کے وقار مضبوطی اور عرفان کے ثابت ہونے کی وجہ سے ہے یہ ترجیح ایمان کے ثمرہ زیادت احسان کے لحاظ سے نہیں ہوگی اس لیے کہ اہل ایمان اطاعات کی کثرت اور نافرمانیوں کی کمی کے لحاظ سے الگ الگ ہیں ان میں فرق ہے۔ اسی طرح کم اطاعات اور زیادہ نافرمانیوں کی وجہ سے ثمرہ ایمان میں کمی کے لحاظ سے بھی لوگوں میں فرق ہے البتہ ایمان بمعنی یقین کے سب میں موجود ہے۔ اہل عرفان کے نزدیک یہ اختلاف لفظی ہے۔ [شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص: ۷۰]۔ مصنف فیض الباری علامہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں۔ (احناف کی رائے) کو بہتر انداز سے ثابت کرنے والی بات امام طحاوی رحمہ اللہ کی ہے جب انہوں نے کتاب کے شروع میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے عقائد لکھے ہیں۔ طحاویہ کی بہترین شرح القونوی ہے جو کہ حنفی المذہب اور ابن کثیر رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں (طحاویہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ) امام ابوحنیفہ نے کمی بیشی کی نفی مرتبہ محفوظہ میں کی ہے مطلقاً نفی نہیں کی۔ [فیض الباری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۶۰]

ہم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات اس بارے میں کہی گئی ہے کہ اعمال لفظ ایمان میں داخل ہیں؟ اس مسئلے میں حق جمہور اہلسنت کے پاس ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے۔ اعمال لفظ ایمان میں داخل ہیں اصول کی کتب میں یہ بات موجود ہے کہ اگر کسی لفظ کے دو استعمال ہوں ایک لغوی دوسرا شرعی تو شرعی استعمال کو ترجیح دی جائے گی۔ [الموافقات ج ۲ ص ۲۶۸] جہاں تک احناف کے دوسرے نظرے کی بات ہے کہ قرآن میں اعمال کو ایمان سے علیحدہ بیان کیا گیا ہے (ایمان وعمل صالح کو ایک دوسرے پر عطف کیا گیا ہے اور معطوف ومعطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے) اس کے جواب میں ہم امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول پیش کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ۔کہ (عمل صالح کا ایمان پر عطف) دراصل خاص کا عام پر عطف ہے جیسا کہ قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ [البقرۃ: ۹۸]

''جو شخص اللہ کا دشمن ہوا اور اس کے فرشتوں کا۔ اس کے رسولوں کا جبریل کا میکائیل کا تو اللہ کافروں کا دشمن ہے''

’اس آیت میں ملائکہ پر جبریل ومیکائیل کا عطف ہے حالانکہ دونوں میں کوئی مغایرت نہیں بلکہ لفظ ملائکہ عام ہے۔ جبریل میکائیل خاص، اسی طرح ایمان عام ہے عمل صالح خاص، ورنہ عمل بھی ایمان میں اسی طرح داخل ہے جس طرح جبریل ومیکائیل ملائکہ میں‘ قرآن میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس گروہ کے اس عقیدے کو اپنی کتاب ’’الایمان‘‘ میں سولہ سے زائد طریقوں اور وجوہ سے رد کیا ہے۔ ص ۲۴۷ اور ص ۵۱ وغیرہ دیکھے جاسکتے ہیں) ہم یہاں صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جمہور اہلسنت نے اس مسئلے میں جو موقف اپنایا ہے وہ صحیح ہے۔ یہاں یہ بات بہت اہمیت رکھتی ہے ہم یہ وضاحت کردیں کہ اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے لفظ ایمان صرف تصدیق کو قرار دیا ہے۔ خاص قسم کی تصدیق۔ مگر تمام اہلسنت کے ہاں اس بات پر اتفاق ہے کہ ثواب وعقاب (جزاوسزا) اعمال پر ہی مرتب ہوتے ہیں عمل کرنے اور نہ کرنے کے لحاظ سے۔ یہی وہ بات ہے جس میں مرجئہ نے علیحدہ رائے اختیار کی ہے ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ اس مسئلے میں اہلسنت کے درمیان جو تنازع ہے وہ لفظی ہے ورنہ ایمان کو صرف قول قرار دینے والے فقہاء جیسے کہ حماد بن سلمہ رحمہ اللہ اور اس کے متبعین کوفہ کے فقہاء ہیں اور دیگر فقہاء جو ان کے ہم خیال ہیں سب کے سب اہلسنت کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ گناہ کرنے والے مذمت اور وعید کے مستحق ہیں اگرچہ ان کا ایمان جبریل کے ایمان کی طرح مکمل ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بغیر فرض عمل کے یا محرمات کے ارتکاب کے ساتھ ایمان والا شخص مذمت وعذاب کا مستحق ہے جیسا کہ جماعت اہلسنت کہتی ہے۔ [الایمان ص ۲۵۵] اسی طرح احناف نے بہت سے اعمال کو ایمان کی شرائط اور لوازمات میں سے قرار دیا ہے اور ان اعمال کو بجا نہ لانے والوں کو کہنا کافی نہیں۔ جبکہ اہل سنت نے ایمان کا تصدیق اقرار اور اطاعت کا التزام سب پر بحیثیت مجموعی اطلاق کیا ہے۔ یہ شریعت کے احکام کی پابندی کو مستلزم ہے اہل سنت نے لفظ ایمان میں اعمال کو داخل کیا ہے اس لحاظ سے اقرار امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شرط اور بقیہ اہلسنت کے نزدیک رکن یا شرط ہے۔ صاحب فیض الباری کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ جس چیز سے کفر اور ایمان میں امتیاز ہوتا ہے وہ اطاعت کا التزام اور دیگر ادیان کو چھوڑنا۔ یہی بات اس کی وضاحت وتفسیر میں صحیح ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اجماع نقل کیا ہے اس بات پر کہ یہ جزء ایمان کے باب میں لازمی ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ فقہاء کے قول میں جس اقرار کا ذکر ہے اس سے مراد وہ اقرار لیا جائے جس میں اطاعت کا التزام ہو۔ [فیض الباری ج ۱۰ ص ۵۱] علامہ کشمیری نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اس بات پر دلالت کرنے میں بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اقرار سے مراد فقہاء کی یہ نہیں ہے کہ صرف زبان سے کلمہ شہادتین ادا کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ اطاعت کی جائے اور شریعت کے عمومی احکام سے نہ نکلا جائے۔ پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ صرف زبان سے شہادتین کی ادائیگی نجات دینے کے لیے کافی ہے اور یہی اقرار ہے تو اس پر اشکال وارد ہوتا ہے فقہاء اور متکلمین پر وہ اشکال یہ ہے کہ بعض کفریہ افعال تو تصدیق کرنے والے سے بھی سرزد ہوسکتے ہیں جیسے بت کے آگے سجدہ یا قرآن کی توہین؟ اگر ہم یہ کہیں کہ ان افعال کا مرتکب کافر ہے تو پھر ہمارا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے کہ ’’ایمان تصدیق کا نام ہے‘‘ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اس اشکال کے جواب میں یہی بات حق ہے جو ابن الہمام نے لکھی ہے کہ بعض افعال ایسے ہیں جو انکار کے قائم مقام ہیں مثلاً کافروں کے مخصوص نشان وعلامات (شعائر) ایمان میں ان افعال سے بری ہونا ضروری ہے جس طرح کہ کفر سے براءت ضروری ہے اسی لیے اللہ نے فرمایا تھا۔

لاَ تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُم[التوبة: ٦٦]

''بہانے مت تراشو تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔''

یہ بات اللہ نے ان کے اس قول کے جواب میں کہی ہے کہ۔

اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ[التوبة: ٦٦]

''ہم باتیں بناتے تھے اور کھیل رہے تھے۔''

اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم اپنی بات میں جھوٹے ہو بلکہ انہیں بتلا دیا کہ یہ باتیں اور (شریعت کے احکام سے) کھیلنا کافروں کی مخصوص نشانیوں میں سے ہے لہٰذا اس طرح کرنے والوں نے اسلام کا پٹہ اپنی گردنوں سے اتار دیا اور اسلام کے دائرے سے نکل کر کفر میں داخل ہو گئے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس طرح کے افعال اگر کسی آدمی میں پائے جائیں تو اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کے دل میں تصدیق ہے یہ بھی نہیں دیکھا جائے گا کہ یہ عمل اس نے مزاح و دل لگی میں کیا ہے یا عقیدتاً کیا ہے۔ یہاں آ کر وہ کہتے ہیں کہ دین کے بدیہی مسائل میں تاویل مقبول نہیں ہے اس لیے کہ ایسے مسائل میں تاویل انکار کے مترادف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسی تصدیق جس کے ساتھ کفر کے مخصوص افعال کیے جائیں شریعت میں معتبر نہیں ہے۔ جس نے ایسے افعال کا ارتکاب کیا تو اس میں سے تصدیق ختم ہو گئی جصاص نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔ [فیض الباری ج ا ص ۵]

حنفیہ کے اکابر ائمہ ابن الہمام، کشمیری اور جصاص کو بعض علماء نے اس بنا پر مرجئہ فقہاء کہا ہے کہ انہوں نے لفظ ایمان میں اعمال کو داخل نہیں سمجھا حالانکہ یہ لوگ بھی خلود فی النار سے نجات کے لیے عمل کو لازمی کہتے ہیں بقیہ اہلسنت کی طرح (مگر صرف اس بنا پر کہ اعمال کو لفظ ایمان میں شامل نہیں سمجھتے انہیں کچھ علماء نے مرجئہ کہا ہے)

شارح طحاویہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ لفظ ایمان کبھی بھی تکذیب کے مقابلے پر استعمال نہیں ہوتا جیسا کہ لفظ تصدیق کے مقابل استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ کفر تکذیب کے ساتھ خاص نہیں ہے اگر کوئی (پیغمبر سے) کہے کہ میں جانتا ہوں کہ تو سچا ہے مگر میں تیری اتباع نہیں کروں گا بلکہ تجھ سے دشمنی و بغض رکھوں گا تیری مخالفت کروں گا تو یہ بہت بڑا کفر ہے (اگر چہ اس میں تکذیب نہیں ہے) اس سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں ہے اور نہ ہی کفر صرف تکذیب کا نام ہے بلکہ کبھی تو تکذیب کفر بن جاتا ہے کبھی بغیر تکذیب کے مخالفت و دشمنی کفر بن جاتی ہے۔ اسی طرح ایمان تصدیق۔ محبت اور اطاعت ہوتا ہے صرف تصدیق نہیں۔ [شرح طحاویہ ص ۲۴۳] امام طحاوی رحمہ اللہ خود متن میں فرماتے ہیں۔ اہل ایمان اصل میں برابر ہیں یعنی ایمان کے اصل و بنیاد پر متفق ہیں جو کہ خلود فی النار سے نجات دینے والا ہے اور جس کی مخالفت کفر میں واقع کر دینے والی ہے۔ نتیجہ ایک ہے اختلاف لفظی ہے یا نقطۂ نظر کا اختلاف ہے جیسا کہ صاحب فیض الباری نے کہا ہے۔ کفر سے نجات دینے کے لیے جس چیز پر دارومدار ہے اس پر اتفاق ہے اور سزاء و جزاء کا مرتب ہونا اعمال کے کرنے یا نہ کرنے پر ہے اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ کفر میں مبتلا کرنے والے اور ایمان کی جڑ کاٹ دینے والے دل کے عقد کو توڑ دینے والے اعمال ان کے مذاہب میں معروف ہیں بلکہ احناف نے دیگر مذاہب کی بنسبت ان اعمال کی زیادہ تعداد بیان کی ہے جو کفر کا سبب بنتے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے پھر تصدیق کو تکذیب کا مقابل قرار دیا جائے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِنَّ الَّـذِيْـنَ يَتْـلُـوْنَ كِتٰـبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ [فاطر:۲۹]

''جولوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں وہ اس تجارت (کے فائدے) کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔''

علماء نے اسی اصول پر اجماع کیا ہے۔الآجری رحمہ اللہ ''الشریعہ'' میں ذکر کرتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی ابو حفص عمر بن ایوب السقطی نے انہوں کہا میں نے ابوجعفر سلمان کو یہ کہتے ہوئے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے بارہا سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کو سنا وہ کہتے تھے: کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے۔سفیان رحمہ اللہ کہتے تھے کہ یہ (نظریہ) ہم نے پہلے والوں سے لیا ایمان ہے قول وعمل دونوں کا نام ہے۔قول بلا عمل نہیں۔ابن عیینہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ (ایمان) میں کمی بیشی ہوتی ہے ؟تو انہوں نے کہا کہ پھر کون سی چیز (کم زیادہ) ہوگی؟ (اگر عمل کم نہ ہوگا تو کمی بیشی کس چیز میں ہوگی؟) [كتاب الشريعة للأجرى ص١١٦]

اور پھر کفر تکذیب کو کہا جائے تو یہ بات نہ تو ائمہ اہلسنت میں سے کسی نے اور نہ احناف یا دیگر نے بلکہ یہ مرجئہ کی بدعت کا محور ہے تفصیل ہم عنقریب بیان کریں گے ان شاء اللہ۔اسی طرح اگر کہا جائے کہ اعمال کو لفظ ایمان (کے اطلاق) سے نکال دیا جائے یعنی یہ کہا جائے کہ کسی عمل کا ارتکاب یا کسی عمل کا ترک کفر کا سبب نہیں بنتا تو یہ تمام اہلسنت مع احناف کے سب کے خلاف ہے بلکہ اس طرح کہنے والے کی سمجھ عمومی طور پر غلط ہے نہ تو یہ احناف کے مطابق ہے نہ ہی دیگر اہلسنت کے اسی طرح کفر عملی اور اعتقادی کے مفہوم میں بھی اس کی سمجھ یا اس کی رائے صحیح نہیں ہے تفصیل ہم بعد میں بیان کریں گے یہاں ہم صرف ابن ابی العز رحمہ اللہ کا نقل کردہ اثر ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوجائے گا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ایمان کے بارے میں کیا تردد تھا؟ حماد بن زید رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سامنے اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؛ والی حدیث بیان کی اور کہا کہ کیا ہم یہ نہیں دیکھ رہے کہ سوال اسلام کے بارے میں ہے کہ کون سا اسلام افضل ہے۔کہا کہ ایمان اور پھر جہاد وہجرت کو ایمان میں سے قرار دے دیا۔تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ خاموش رہے۔آپ کے ساتھیوں نے کہا کہ آپ اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟ امام صاحب نے کہا کہ میں کیا جواب دوں کہ وہ میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کررہا ہے۔ [شرح طحاویہ ص۲۵۳])

جس طرح ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ابوالقاسم انصاری شیخ شہرستانی کا قول ابی المعالی کی شرح الارشاد میں نقل کیا ہے وہ قول یہ ہے "اہل اثر (محدثین) اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان تمام فرض ونفل اطاعات کا نام ہے وہ ایمان کا معنی یہ کرتے ہیں کہ اللہ کے تمام احکام پر عمل کرنا خواہ وہ فرض ہوں یا نفل اور تمام منع کیے ہوئے کاموں سے رک جانا خواہ وہ ممنوعات حرام ہوں یا تادیباً ممنوع ہوں۔[الایمان لابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ١٢٤]

اسی طرح کا قول یہ بھی ہے کہ۔یہی وجہ ہے کہ ایمان قول وعمل کو قرار دینا اہلسنت کے نزدیک سنت کا شعار ہے (پہچان ہے) اس پر کئی لوگوں نے اجماع نقل کیا ہے۔ہم نے امام شافعی رحمہ اللہ کا قول کتاب "الام" کے حوالہ سے پیش کیا ہے وہ کہتے ہیں۔صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے بعد والوں کا اجماع ہے۔اور جن کو ہم نے پایا ہے وہ کہتے تھے کہ ایمان قول عمل اورنیت کا نام ہے ان تینوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے بغیر مؤثر نہیں ہوگا۔[الایمان لابن تیمیہ رحمہ اللہ ص:٢٦٥]

پھر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے نام گنوائے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں ان میں مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور واسط کے ائمہ شامل ہیں۔ابوعبید رحمہ اللہ کہتے ہیں یہی اہلسنت کی رائے ہے اور ہمارے ہاں یہی معمول بہا ہے۔[الایمان ص٢٦٦]

"دوسرا اصول"

② ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے

جیسا کہ سلف رحمۃ اللہ علیہم نے کہا کہ ایمان میں اطاعت سے اضافہ اور نافرمانی سے کمی ہوتی ہے۔

[فتح الباری لابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ج١ ص ٤٧ ۔الشریعۃ للأجری رحمہ اللہ ص ١١٤ عن محمد بن علی رحمہ اللہ]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ اِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا [انفال:٢]

"اور جب آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں۔"

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِهِمۡ [الفتح:٤]

''وہی تو ہے جس نے مؤمنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے۔''

امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں۔ایمان دل میں سفید نقطے کی طرح پیدا ہوتا ہے ایمان جتنا بڑھتا جاتا ہے یہ سفیدی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ پورا دل سفید ہوجاتا ہے۔اور نفاق دل میں سیاہ نقطے کی طرح پیدا ہوتا ہے جیسے جیسے نفاق بڑھتا جاتا ہے یہ سیاہی بھی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ پورا دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ [رسالہ الایمان لابی بکر بن ابی شیبہ المدنی ص ٩]

طحاویہ کے شارح کہتے ہیں:اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال بہت زیادہ ہیں مثلاً ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ انسان کی سمجھداری یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کا خیال رکھے اس میں کمی نہ ہونے دے۔انسان کی سمجھداری یہ ہے کہ وہ اس بات کو جانتا ہو کہ اس کا ایمان بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے آجاؤ کہ ایمان میں اضافہ کرلیں اور پھر وہ اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں کہتے تھے اے اللہ ہمارے ایمان، یقین اور فقاہت میں اضافہ فرما، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک آدمی سے کہہ رہے تھے ہمارے ساتھ بیٹھو کچھ دیر ایمان لے آتے ہیں۔اسی طرح کا قول عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔جس میں تین صفات ہوں اس کا ایمان مکمل ہوگیا اپنے جی میں اپنا انصاف کرنا (اللہ کی عنایتیں اپنے حال پر دیکھنا اور اس کی اطاعت وعبادت میں قصور نہ کرنا) محتاجگی میں خرچ کرنا سب (مسلمانوں) کو سلام کرنا۔

[صحیح بخاری کتاب الایمان، شرح طحاویہ:٢٤٧،الایمان:ص ١٩١]

الآجری رحمہ اللہ الشریعہ میں عمیر بن حبیب رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ان سے سوال ہوا کہ اس کی کمی بیشی کیا ہے؟ جواب دیا کہ جب ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس کی حمد وتسبیح بیان کرتے ہیں تو یہ ایمان میں اضافہ ہے اور جب غفلت کرتے ہیں اور (اللہ کا ذکر حمد تسبیح کرنا) بھول جاتے ہیں تو یہ ایمان میں کمی ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ابوبکر بن ابی

داؤد رحمہ اللہ عبدالرزاق سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ معمر اور سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن جریج، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہم سب کہتے تھے۔ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔[الشریعہ للأجری ص ۱۱۱]

ان کے علاوہ دیگر آثار واقوال ہیں جن سے اس رائے پر اہلسنت والجماعۃ کے اجماع کا ثبوت ملتا ہے۔ ان سب اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان اچھا عمل کرتا ہے تو اس کا ایمان بڑھتا ہے اور جب برا عمل کرتا ہے تو ایمان گھٹتا ہے۔ یہ ایسا کام ہے جس کا مشاہدہ ہر مسلمان اپنی زندگی میں کرسکتا ہے (وہ اس طرح کہ) جب بھی کوئی اچھی اور نیک بات یا عمل کرے گا تو وہ نور الٰہی کا فیضان محسوس کرے گا کہ اس کے دل میں اتر رہا ہے جو اس کی قلبی حالت کو بہتر بنا رہا ہے اور جب بھی عمل صالح سے دور ہوگا تو اپنے دل پر ایک پردہ سا پڑتے محسوس کرے گا جس کی کثافت بڑھتی جائے گی یہاں تک اس کا دل کالا سیاہ ہو جائے گا اس پر زنگ چڑھ جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ [المطففين:۱٤]

''ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر زنگ آگیا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے۔''

ایمان کی کمی بیشی کے مسئلے کی بنیاد؟

تقریباً تمام کتب عقائد میں علماء نے اس مسئلے کی وضاحت میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس میں مزید اضافہ تو ممکن نہیں ہے البتہ ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلے سے متعلق ان باتوں کو بیان کردیں جو سلف کے اقوال سمجھنے میں انہیں دشواری ہو رہی ہے اس لیے ہم یہ مسئلہ قارئین کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ ہم اپنی بات دو امور تک محدود رکھیں گے۔

① یہ ثابت کرنا کہ ایمان کی کم سے کم حد بھی ہے جس کا حامل جہنم میں ہمیشہ رہنے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

② اس طرح کے کمترین ایمان کے ساتھ جنس عمل لازم ہے تاکہ یہ کم سے کم ایمان ثابت ہو سکے

یہ دونوں قضیے باہم متلازم ہیں۔ ہم ان شاء اللہ، اس کی وضاحت اس طرح کردیں گے کہ کسی قسم کا ابہام باقی

نہیں رہے گا۔ تفصیل ترتیب وار پیش خدمت ہے۔

① لفظ ''ایمان''

(جس کے بارے میں سلف نے کہا کہ اس میں کمی بیشی ہوتی ہے)

اس کمی بیشی سے مراد ایمان کی تکمیل اور اس کے درجات کو مکمل کرنا۔ ایمان عمومی معنی کے لحاظ سے اس شخص کا مکمل طور پر ثابت ہو جاتا ہے جس نے توحید ثابت کر دی ہو یعنی جس کے اندر توحید ہے اس میں اس قدر ایمان ہے کہ اسے جہنم میں ہمیشہ رہنے سے محفوظ رکھ سکے اور پھر ان اعمال کو بجا لائے جو رسول اللہ ﷺ سے اس تک پہنچے ہیں۔ وہ اپنے دل کو تصدیق اور رسالت کے اقرار سے آباد کرے۔ شریعت کے ظاہری و باطنی تمام احکام کی اطاعت کرے۔ شارع نے جن اوامر و نواہی کا اسے پابند بنا دیا ہے ان کی پابندی کرے۔ تو اس طرح اس کا ایمان مکمل ہو گا اور اس میں اضافہ ہو گا یہ اضافہ اسی حساب سے ہوتا جائے گا جس حساب سے یہ اوامر کی ادائیگی کرے گا اور نواہی سے اجتناب کرے گا اسی طرح ایمان میں کمی بھی اس حساب سے ہو گی جس حساب و مقدار سے یہ اوامر کی بجا آوری میں کوتاہی کرے گا یا نواہی کا ارتکاب کرے گا۔ سلف نے جس ایمان کی کمی بیشی کی بات کی ہے اس سے مراد یہی ہے کہ معصیات سے ایمان میں کمی اور اطاعات سے اضافہ ہوتا ہے [1] اس مسئلے کی مزید تفصیل ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الایمان'' میں کی ہے انہوں نے کہا ہے کہ ایمان ہر شخص کا یا ہر وقت ایک ہی طرح نہیں ہوتا بلکہ وضاحت کے لحاظ سے اس کے تین درجات ہیں۔

(الف) ایمان مجمل

ایمان کی اتنی مقدار کہ اس میں مزید کمی ناممکن ہو اس میں اگر مزید کمی کر دی گئی تو دین کی بنیاد ہی (انسان میں سے) ختم ہو جائے گی۔ ایمان مجمل سے مراد ہے: اللہ کی ربوبیت اور الوہیت پر ایمان لانا، اللہ کو پہچان

---

[1] اس سے پہلے ہم ابوالقاسم انصاری کا قول نقل کر چکے ہیں جس میں اس نے کہا تھا کہ ایمان سے مراد تمام فرض و نفل اطاعات ہیں ابوالقاسم کی یہ بات ہماری اس تشریح کی تائید کرتی ہے جو ہم نے سلف کے اقوال کے لیے کی ہے کہ کمی یا اضافہ ایمان واجب کے مرتبے میں ہوتی ہے۔

کر،تصدیق ،اقرار ، جھکاؤ اور اطاعت کا التزام کر کے اور شرک اکبر کے کاموں کو مکمل طور پر چھوڑ دینا رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تمام خبروں کی تصدیق اور غیب (کی جو باتیں آپ ﷺ نے بتلائی ہیں) ان کی تصدیق اتنی مقدار کا ایمان جو دین کی بنیاد ہے یہ اس آدمی کے لیے اعمال کی شرط کے بغیر کافی ہے جو عمومی شرائع اور فرائض کے نزول سے قبل فوت ہو گیا ہو۔ اسی قدر ایمان عرب کے ان لوگوں کے لیے بھی کافی ہے جو حنیفی تھے۔ یا ایسا شخص جو عملی شریعت کے پہنچنے سے پہلے مرگیا ہو مثلاً کوئی شخص دور دراز پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والا ہو یا دارالاسلام سے بہت دور ہو۔ ایسے لوگوں کے لیے اتنی مقدار کا ایمان کافی ہے اس لیے کہ شریعت نہ پہنچنے کی وجہ سے ان کے بارے میں واجب اعمال کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا یا دارالاسلام سے دوری کی وجہ سے یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے کی وجہ سے۔

(ب) ایمان واجب یا ایمان مفصّل

اس ایمان میں ایمان مجمل شامل ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ جو شریعت پہنچی ہے اس کا التزام بھی ضروری ہے ۔امر ہو یا خبر ،ایمان مفصّل میں تصدیق ،اقرار اور اطاعت کا التزام ، ہر خبر یا امر کا اقرار علیحدہ علیحدہ شامل ہیں۔ پھر اس چیز کا التزام بھی ضروری ہے جس پر ان اوامر و شرائع کی بنیاد ہے، انہیں قبول کرنا اور تمام خبروں اور اوامر کی اطاعت کا التزام بھی ضروری ہے ۔اس کی تفصیل فصل ثالث میں آئے گی ۔ ❶ (اہل سنت) جب ایمان میں کمی بیشی کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد ان کی ہوتی ہے تمام واجبات (شریعت کی طرف سے لاگو ہونے والی ذمہ داریاں) ہیں کہ جب بھی آدمی واجبات بجالاتا ہے اس کا ایمانِ واجب میں اضافہ ہوجاتا ہے اور جب معاصی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے ایمان میں کمی آجاتی ہے۔ ایمان واجب سے مراد یہ ہوا کہ جس میں اوامر و نواہی کے ذریعے عمل کا اظہار ہوتا ہو۔ ❷

---

❶ التزام کی دو قسمیں بن جاتی ہیں ۔ایک ہے قبول کرنے اور اطاعت کرنے کا التزام یعنی قدرت اور علم ہونے کے بعد دل میں عمل کی نیت بٹھانا۔ دوسرا التزام ہے تنفیذ کا یعنی شریعت کے تمام احکام و اوامر کو ایک ایک کر کے بجالانا اس آخری قسم میں ہی کمی بیشی کا تصور ہے

❷ فقہاء کوفہ جنہوں نے اعمال کو لفظ ایمان سے خارج قرار دیا ہے) وہ بھی اہلسنت کے ساتھ ایمان مجمل پر متفق ہیں بلکہ کسی بھی مسلمان کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایمان مجمل کے مسئلے میں اختلاف کرے گا اس لیے کہ یہی تو دین کی بنیاد ہے یہی توحید ہے ⇦

اس لیے کہ ایمان مجمل کا نہ تو اظہار ہوسکتا ہے اور نہ ہی عمل اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو شرائع پہنچنے یا نازل ہونے سے پہلے فوت ہو گیا ہو البتہ شرک اکبر کا ترک ہر حال میں فرض ہے۔ ❶

جو شخص (ایمان کے اقرار کے بعد) زندہ رہا اور واجبات مفروضہ کو پالیا یا اسے شریعت کے عمومی مسائل پہنچ گئے تو اس کے لیے ان کا التزام ضروری ہے تب ہی وہ ایمان واجب میں داخل ہو سکے گا البتہ جو ان واجبات کے پہنچنے سے پہلے مرگیا وہ مستثنیٰ ہے۔

③ ایمان کامل

ایمان کامل مستحبات کی پابندی اور مکروہات سے اجتناب کو کہا جاتا ہے۔ اس طرح ایمان کامل میں تمام اعمال واجب، مستحب کو اختیار کرنا اور حرام و مکروہ کا ترک کرنا سب شامل ہیں۔ سلف رحمۃ اللہ علیہم نے جس ایمان کی کمی بیشی کی بات کی ہے اس سے مراد ایمان واجب کامل کے مرتبے میں کمی بیشی ہے معصیت سے اس میں کمی اور عمل صالح سے اضافہ ہوتا ہے۔ ان دونوں مرتبوں میں ہی کمی بیشی کا تصور سمجھ میں ہوتا ہے اس لیے کہ جس کو شرائع و احکام پہنچے ہوں اور اس کے لیے ان پر عمل لازم ہو یہ دونوں درجے یا مرتبے اسی میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مرجئہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف وہی ہے جو دل میں ہو۔ ان پر ردّ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ ایمان جسے اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کر رکھا ہے۔ وہ تمام بندوں کے لیے برابر ہے۔ اور جو ایمان ایک فرد پر واجب ہے اسی طرح کا ایمان دوسرے افراد پر بھی واجب ہے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے (اس لیے کہ) سابقہ انبیاء کے متبعین پر جو ایمان اللہ نے واجب کیا تھا وہ امت محمد ﷺ پر واجب نہیں۔ اور امت محمد ﷺ پر جو ایمان واجب ہے وہ دوسروں پر نہیں ہے۔ اسی طرح وہ ایمان جو پورا قرآن نازل ہونے

⇐ ۔ فقہائے کوفہ کا اختلاف ایمان واجب میں ہے جس میں اعمال شامل ہیں وہ اسے نہیں مانتے اس لیے کہ انہوں نے مطلقاً اعمال کو لفظ ایمان سے خارج کر دیا ہے اگرچہ ثواب و عذاب کا مدار انہوں نے بھی اہلسنت کی طرح اعمال پر ہی رکھا ہے۔

❶ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری ج۱ص۴۶ میں لکھتے ہیں جس نے اقرار کر لیا اس پر دنیا میں احکام جاری ہو جائیں گے اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا جب تک کہ وہ کوئی ایسا عمل نہ کرے جو کفر پر دلالت کرتا ہو مثلاً بت کے آگے سجدہ کرنا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بات سے ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ جب تک کوئی ایسا عمل نہ کرے جو کفر پر دلالت کرتا ہو۔ یہ اس بات پر دلالت کرنے والا قول ہے کہ ایمان کے لیے شرط ہے کہ ایمان کے منافی کوئی عمل نہ ہو جیسا کہ شرک اکبر)

سے پہلے واجب تھا وہ اس ایمان کی طرح نہیں ہے جو پورا قرآن نازل ہونے کے بعد واجب ہے اور اس شخص کا ایمان جس کو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت کا تفصیلی علم ہو اس شخص کے ایمان کی طرح نہیں ہے جس کو ان شرائع کا اجمالی علم ہو۔ ایمان میں یہ بات ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہر خبر کی تصدیق ہو مگر جس نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور اس تصدیق کے بعد مر گیا تو اس پر اس ایمان کے علاوہ کچھ بھی واجب نہیں۔ اور جس شخص کو قرآن اور احادیث رسول اللہ ﷺ پہنچ گئی ہوں ان میں جو خبریں ہیں اوامر ہیں وہ سب تفصیل سے پہنچ چکی ہوں تو اس پر واجب ہے کہ وہ ایک ایک خبر اور ایک ایک امر کی تفصیلی تصدیق کرے جبکہ اس طرح کی تصدیق اس شخص پر واجب نہیں ہے جو ان کے پہنچنے سے پہلے فوت ہو گیا ہو اور اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ آدمی زندہ رہے گا تو پھر بھی عوام میں سے ہر ایک کے لیے ضروری نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم اور ہر نہی سے واقف ہوں۔ بلکہ ہر شخص کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس پر کیا فرض اور کیا حرام ہے مثلاً جس کے پاس مال و دولت نہیں ہے اس کے لیے زکوٰۃ کی تفصیلات سے واقف ہونا ضروری نہیں۔ جس کے پاس حج کی استطاعت نہیں ہے اس کے لیے مناسک کی معلومات حاصل کرنا ضروری نہیں ہے۔ جس نے شادی نہیں کی اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ازدواجی احکام معلوم کرے۔ ثابت یہ ہوا کہ کچھ لوگوں کے لیے جو ایمان تصدیق اور عمل واجب ہے وہ دوسروں کے لیے واجب نہیں ہے۔ اس طرح اس بات کا جواب بھی مل گیا یہ جو کہتے ہیں اعمال سے پہلے ہی انہیں مؤمن کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ انہیں اعمال واجب ہونے سے پہلے اس لئے مؤمن کہا گیا کہ وہ اعمال واجب ہونے سے پہلے ایمان کا حصہ نہیں ہوتے وہ مؤمن تھے اس ایمان کے ساتھ جو ان پر واجب تھا اور جو چیز ان پر فرض نہیں تھی اس کی فرضیت کے ساتھ انہیں مخاطب نہیں کیا گیا اور اگر فرائض نازل ہوئے اور انہوں نے اس کا اقرار نہیں کیا تو وہ مؤمن بھی نہیں ہوں گے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ [آل عمران:٩٧]

”اللہ کے لیے لوگوں کے ذمے حج ہے جو اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھتا ہو اور جس نے

کفر کیا تو اللہ تمام جہان سے بے پرواہ ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ حج کا ذکر اکثر ان احادیث میں نہیں آتا جن میں اسلام اور ایمان کا ذکر ہے جیسا کہ وفد عبدالقیس کی اور ایک نجدی آدمی کی حدیث ہے جس کا نام ضمام بن ثعلبہ تھا حج کا ذکر ابن عمر رضی اللہ عنہ و جبریل علیہ السلام کی حدیث میں ہے اس لیے کہ حج پانچ فرائض میں سے سب سے آخر میں فرض ہونے والا رکن ہے لہٰذا فرضیت سے پہلے یہ اسلام یا ایمان میں داخل نہیں تھا اور جب فرض ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایمان میں داخل کر دیا جب ایمان کا علیحدہ تذکرہ ہو اور اگر ایمان و اسلام دونوں کا تذکرہ ہو تو پھر یہ اسلام میں داخل ہے اسی طرح اگر اسلام کا ذکر علیحدہ طور پر ہو تو پھر بھی اسلام میں داخل ہے۔ اسی طرح ان کا یہ قول ہے کہ جو ایمان لایا اور عمل واجب ہونے سے پہلے مر گیا تو مؤمن ہے تو یہ بات ان کی صحیح ہے اس لیے یہ آدمی وہ ایمان لایا ہے جو اس پر واجب تھا جبکہ عمل اس پر واجب نہیں تھا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔ یہ ایسی غلط فہمی ہے جو دونوں گروہوں کو لاحق ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ واجب اعمال ایمان کا حصہ ہیں تو پھر ایمانِ واجب کی اقسام ہوں گی وہ تمام لوگوں کے لیے ایک ہی چیز نہیں ہوگی۔ اہل سنت والحدیث کہتے ہیں تمام اعمال حسنہ واجب اور مستحب سب ایمان کا حصہ ہیں یعنی ایمان کامل کا جو مستحبات سے کامل ہو، ایمان واجب کا نہیں۔ ایمان واجب و ایمان کامل میں فرق ہے۔ جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں کہ غسل کی دو قسمیں ہیں ایک ہے کفایت کرنے والا دوسرا کامل، کفایت والا وہ ہے جس میں صرف واجبات ادا کی جائیں کمال کا لفظ کبھی کمالِ واجب کے لیے اور کمال مستحب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ [الایمان ابن تیمیہ رحمہ اللہ ص :۱٦۸]

آجری رحمہ اللہ الشریعۃ ص ۱۰۱ میں کہتے ہیں۔ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان کے تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے تا کہ لوگ اللہ کی توحید کا اقرار کر لیں۔ یعنی ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کہیں۔ جس نے یہ کلمہ زبان سے ادا کیا دلی یقین کے ساتھ تو اس کے لیے کفایت کرے گا جو اس ایمان پر فوت ہو گیا تو وہ جنت میں جائے گا۔ جب لوگ اس پر ایمان لے آئیں اور توحید کو خالص کر لیا تو پھر ان پر مکہ میں نماز فرض کی گئی۔ انہوں نے اس کی بھی تصدیق کی ایمان لائے اور نمازیں پڑھیں۔ پھر ان پر ہجرت فرض کی گئی تو انہوں نے ہجرت کی اپنے گھر بار اور وطن کو چھوڑا پھر مدینے میں ان پر روزے فرض ہوئے تو وہ اس پر بھی ایمان لائے اور ماہ رمضان

میں روزے رکھے ۔پھران پرزکاۃ فرض ہوئی تو اس پربھی ایمان لائے اور حکم کے مطابق زکوٰۃ دی پھران پر جہادفرض ہوا تو انہوں نے دوروقریب (ہرجگہ) جہاد کیا صبر کیا سچائی پر قائم رہے ۔پھران پر حج فرض ہوا تو انہوں نے حج کرلیا اس پربھی ایمان لائے جب ان فرائض پرایمان لائے اوردلی تصدیق کے ساتھ ان پرعمل کیا زبان سے ان کا اقراراوراعضاء سے عمل کیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا [المائدہ:۳]

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اورتم پر اپنی نعمت تمام کردی اورتمہارے لیے اسلام کوبطوردین پسند کرلیا۔‘‘ [الشریعہ للأجری ص ۱۰۱]

(آجری)سند کے ذریعے محمد بن عبدالملک المصیصی ابوعبداللہ سے روایت کرتے ہیں ۔وہ کہتے ہیں کہ ہم ۷۰اھ میں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے پاس تھے ۔ایک آدمی نے ان سے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو سفیان رحمہ اللہ نے کہا کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اس نے پوچھا کیا اس میں کمی بیشی ہوتی ہے؟ سفیان رحمہ اللہ نے کہا اللہ جتنا چاہتا ہے اس میں اضافہ کرتا ہے اور کمی بھی کرتا ہے یہاں تک کہ اتنا بھی باقی نہیں رہتا سفیان رحمہ اللہ نے ہاتھ سے اشارہ کرکے بتایا۔آدمی نے کہا ہمارے ہاں کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف بغیرعمل کے قول کا نام ہے ہم ان کا کیا کریں؟ سفیان رحمہ اللہ نے کہا یہ بات احکام وحدود مقرر ہونے سے پہلے کی ہے ۔اللہ نے ہمارے پیغمبرمحمد ﷺ کوتمام انسانوں کی طرف بھیجا تا کہ لوگ ’’لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ کہیں جب انہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا تو انہوں نے اپنا مال اوراپنی جان کومحفوظ کرلیا۔جب اللہ نے اس کلمہ سے متعلق ان کے دلوں کی سچائی کو آزمالیا تو پھررسول اللہ ﷺ کوحکم دیا کہ انہیں نماز کا حکم دیں ۔آپ ﷺ نے حکم دے دیا اورانہوں نے اس بات کوتسلیم کرلیا اس پرعمل کرلیا اگروہ یہ عمل نہ کرتے تو ان کا اقراراوران کی نماز انہیں کوئی فائدہ دیتی نہ ہی ان کی ہجرت نہ اپنے آباء سے جنگ کرنا نہ طواف کرنا کچھ بھی فائدہ نہ دیتا۔پھراللہ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے انہیں زکوٰۃ کا حکم دیا انہوں نے اس پرعمل کیا اورجس کی جتنی زکوٰۃ بنتی تھی کم یا زیادہ وہ لے

آیا۔ جب اس عمل میں بھی ثابت قدم رہے تو پھر اللہ نے انہیں ہجرت کا حکم دیا انہوں نے ہجرت بھی کر لی اور اگر ہجرت نہ کرتے تو انہیں شہادتین کا اقرار یا ان کی نمازیں وغیرہ کوئی فائدہ نہ دیتیں جب وہ اس میں بھی سچے ثابت ہوئے تو اللہ نے انہیں مکے واپس آنے کا حکم دیا تا کہ اپنے باپ اور بیٹوں سے جنگ کریں اس وقت تک جب تک وہ بھی ان کی طرح کلمہ نہ پڑھیں۔ نمازیں نہ پڑھ لیں ان کی طرح ہجرت نہ کرلیں انہوں نے یہ بھی کرلیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص اپنے باپ کا (کٹا ہوا) سر لے کر آیا اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ کافروں کے ایک سردار کا سر ہے۔ اگر وہ لوگ ایسا نہ کرتے تو ان کا اقرار، نمازیں، ہجرت اور قتال انہیں کوئی فائدہ نہ دیتے ۔ جب اللہ نے ان کے دلوں کی سچائی اس بارے میں آزمالی تو انہیں حکم دیا کہ وہ عبادت کے لیے بیت اللہ کا طواف کریں۔ عاجزی کے لیے اپنے سر منڈوائیں۔ انہوں نے اس پر بھی عمل کرلیا اگر ایسا نہ کرتے تو ان کا پہلے والا اقرار ان کی نمازیں اور ان کی ہجرت اپنے آباء سے جنگ انہیں کوئی فائدہ نہ دیتی ۔ جب اللہ نے ان کے دلوں کی سچائی جان لی تو اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان کے مال سے زکوٰۃ وصول کریں تا کہ اس کے ذریعے سے انہیں پاک کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے اس پر عمل کرلیا اور جس کی جتنی زکوٰۃ تھی کم یا زیادہ وہ لے آیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو انہیں ان کا اقرار، نماز، ہجرت، قتل آباء اور طواف کوئی فائدہ نہ دیتے ۔ جب اللہ نے مسلسل نازل ہونے والے شرائع کے بارے میں ان کی سچائی جانچ لی تو اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ انہیں بتادیں۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [المائدہ:۳]

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا۔"

سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس نے ایمان کی خصلتوں میں کوئی خصلت چھوڑ دی وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اور جس نے سستی یا بے پرواہی کی وجہ سے چھوڑ دی وہ ہمارے نزدیک ناقص (الایمان) ہے۔ اس کو ہم سرزنش کریں گے۔ (سستی کی وجہ سے ترک کرنے والے کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے) یہ سنت ہے میری

طرف سے یہ ہر اُس شخص کو پہنچا دو جو تم سے سوال کرے۔[الشریعه للأجری ص ۱۰۳]

ایمان مجمل کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آخری حد جس کا حامل ہمیشہ جہنم میں رہنے سے بچ سکتا ہے۔اس (ایمان مجمل)میں اعمال شرک کو چھوڑنا بھی شامل ہے یہ ایمان اس میں بھی ہوتا ہے جو عمومی شرائع کے نزول سے قبل فوت ہو گیا ہو یا جسے یہ شرائع تفصیل سے نہ پہنچی ہوں بایں وجہ کہ وہ دارالحرب میں تھا یا دور دراز کسی بستی میں تھا اس ایمان مجمل یا ایمان واجب میں یہ بات بھی شامل کرنی چاہیے کہ شریعت کا ہر حکم یا فریضہ یا ذمہ داری جو نازل ہوئی اورفرض ہوئی ہےلوگوں پر وہ اس ایمان مجمل میں داخل ہے جس کو بھی یہ فریضہ پہنچ جائے تو اس کے ایمان میں (اس کو اپنانا) شامل ہوگا (ضروری ہوگا) اگر اس نے اسے ردّ کر دیا اور نازل ہونے اور پہنچنے کے بعد اسے قبول نہیں کیا اور جس نظریہ پر ہے اس کی موجودگی میں ایمان مجمل کا دعویٰ کیا تو یہ کافر ہے اور اگر نازل ہونے والے یا اس تک پہنچنے والے فریضہ کے بارے میں اس نے عقیدہ رکھا اور اسے لازم سمجھا تو پھر اس کی دو حالتیں ہیں اگر وہ عمل ان اعمال میں سے تھا جو صحت اسلام کے لیے شرط ہے تو اس کے ترک کرنے سے وہ کافر بنے گا اور اگر وہ عمل دیگر عام واجبات وشرعی ذمہ داریوں میں سے ہے تو اس کے ترک سے وہ فاسق بنے گا اور اس کے ایمان میں سے اسی قدر کم کر دیا جائے گا۔ ❶

---

❶ جہاں تک بخاری کی حدیث سے معارضت کا تعلق ہے کہ حدیث میں ہے (اللہ قیامت میں فرشتوں سے فرمائے گا) جہنم سے نکالو جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو۔ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں۔رائی کے دانے کے برابر ایمان سے مراد ہے توحید کے بعد اعمال میں سے اگر رائی کے برابر عمل ہو جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے۔اس کو جہنم سے نکال دو جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اور رائی کے وزن کے برابر عمل کیا۔[فتح الباری ج ا ص ۷۲]اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذرے کے برابر بھلائی بھی توحید میں اضافہ کرتی ہے۔البتہ جس حدیث میں ہے کہ اللہ ان جہنمیوں کو جہنم سے نکالے گا جنہوں نے کبھی اچھائی نہیں کی ہو گی تو اس بارے میں عرض کر دیتے ہیں کہ ہم یہاں بات کر رہے ہیں کلیۃ اعمال چھوڑ دینے کی کہ دل میں بھی ایمان نہ ہو توحید نہ ہو التزام (اعمال) نہ ہو یہ دلالت ان قواعد میں غور وفکر کا تقاضا کرتی ہے جنہیں اللہ نے اپنے دین کے لیے پیمانہ ومعیار بنایا ہے اور وہ دنیا میں مسلمانوں پر جاری ہوتا ہے۔اور آخرت میں میزان کے وقت کیا ہوگا؟ یہ اللہ کے علم میں ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں اعمال ترک کیے تھے ان میں سے کس دل سے ایمان ختم ہو گیا تھا (اور کس کے دل سے نہیں) ہم نے اس کو قلبی عقد کے ساقط ہونے کے لیے معتبر دلیل اس لیے بنایا ہے کہ یہ کام ان لوگوں سے سرزد ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ جو ابتداء سے ہی شریعت کے پابند چلے آرہے ہوں (وہ کلیۃً اعمال کو ترک نہیں کرتے) (اب ترک عمل کسی کے قلبی ایمان کے خاتمے کی دلیل ہے یا نہیں؟) یہ بات صرف اللہ کے علم میں ہے ہم صرف ان قواعد کے تقاضوں کو ثابت کر رہے ہیں جنہیں اللہ نے شریعت میں دلیل بنایا ہے جبکہ عقل بھی ان قواعد کے ⇦

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے شہادتین کا اقرار نہیں کیا وہ کافر ہے جبکہ اعمال اربعہ (چار فرائض) کے تارک کے کفر میں اختلاف ہے (اعمال اربعہ سے مراد، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہیں۔ مترجم) جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ گناہ کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے تو اس گناہ سے مراد ہوتی ہے معصیت جیسے زنا، شراب وغیرہ جہاں تک ان بنیادی باتوں کی حیثیت ہے تو ان کے تارک کے کفر میں مشہور اختلاف موجود ہے۔[الایمان:۲۵۹]

(۲) عمل کا لزوم، اتنا عمل کہ جس سے کسی انسان میں اس قدر ایمان ثابت ہو سکے کہ اسے جہنم میں ہمیشہ رہنے سے بچائے یعنی اس شخص کا ایمان کہ اسے اعمال وشرائع پہنچ چکے ہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ موجودہ دور میں اکثر لوگوں کو اس میں غلط فہمی ہوگئی ہے لہٰذا اس کی وضاحت ضروری ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کر سکیں۔ (ان شاء اللہ اور اللہ کی توفیق سے)

ہم کہتے ہیں: معارج القبول کے مصنف کہتے ہیں۔ جبائی اور اکثر معتزلۂ بصرہ کا موقف ہے کہ ''ایمان'' اطاعات مفروضہ کا نام ہے چاہے وہ افعال کرنے کے ہوں یا ترک کرنے کے۔ نوافل اس میں شامل نہیں۔ (اگر اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو) ایمان میں منافقین بھی داخل ہو گئے حالانکہ اللہ نے ان کے ایمان کی نفی کی ہے۔ باقی معتزلہ کہتے ہیں کہ ''ایمان''، عمل، اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ اس قول میں اور سلف صالحین کے قول میں فرق یہ ہے کہ سلف صالحین نے تمام اعمال کو ایمان کی صحت کے لیے لازمی شرط قرار نہیں دیا ہے بلکہ انہوں نے اعمال کو ایمان کی تکمیل کے لیے شرط قرار دیا ہے۔ جیسا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے ان (اعمال) کو مکمل کیا اس نے ایمان مکمل کر لیا۔ جس نے انہیں مکمل نہیں کیا اس کا ایمان مکمل نہیں ہوا جبکہ معتزلہ نے تمام اعمال کو ایمان کی صحت کے لیے شرط قرار دیا ہے۔[معارج القبول ۔حافظ حکمی ج ۲ ص ۳۱]

⇦ مطابق ہے کہ جس نے مکمل طور پر اعمال ترک کر دیے اس کے دل میں توحید کی موجودگی ممکن نہیں ہے جبکہ اعمال کے احکام اس کو پہنچ چکے ہیں یہ عمل اپنے فاعل کے کفر پر دلیل ہے البتہ کسی فرد معین کو ترک عمل پر کافر کہنا یہ اللہ کے علم میں ہے اس کا تعلق کفر باطن کے اثبات سے ہے (اس کی تفصیل آرہی ہے) جہنم میں جانے والوں کے بارے میں ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کافر کو جنت میں داخل نہیں کرے گا اور جو جنت میں داخل ہوگا ان میں سے یا اوروں میں سے تو اللہ کے نزدیک ان کے دلوں میں توحید ضرور ثابت ہوگئی ہوگی۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: خوارج اور معتزلہ کہتے ہیں کہ تمام اطاعات ایمان کا حصہ ہیں اگر کچھ اطاعات ختم ہوں گی تو ایمان کا بھی کچھ حصہ کم ہوگا (اس طرح ہوتے ہوتے) سارا ایمان ختم ہو جائے گا ان کا فیصلہ یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ مرجئہ اور جہمیہ کہتے ہیں۔ ایمان صرف ایک چیز کا نام ہے (اکائی ہے) اس کے اجزاء نہیں بنتے یا تو صرف یہ قلبی تصدیق ہے جیسا کہ جہمیہ کہتے ہیں یا قلب ولسان دونوں کی تصدیق کا نام ہے جیسا کہ مرجئہ کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر ہم اس میں اعمال کو داخل کر دیں تو یہ بھی ایمان کا ایک جزء بن جائیں گے اور پھر (عمل نہ کرنے کی صورت میں) جب اعمال نہ رہیں گے تو ایمان کا حصہ باقی نہ رہے گا اس طرح گناہ کبیرہ کے مرتکب کو ایمان سے خارج قرار دینا پڑے گا یہ خوارج اور معتزلہ کا قول ہے۔ البتہ ایمان کے کچھ لوازمات اور دلائل ہیں جن سے ایمان کے عدم پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ سلف و جماعت اور اہل الحدیث کے بعد دونوں گروہ آپس میں متضاد رائے رکھتے ہیں۔ اہل سنت والحدیث کہتے ہیں۔ کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے مگر بعض اعمال کے زائل ہونے سے ایمان زائل نہیں ہوتا۔ [الایمان ۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ۵۲]

اب ہم صاحب المعارج اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہما سے معتزلہ و خوارج کی رائے نقل کرتے ہیں۔ معتزلہ اور خوارج نے تمام اعمال کو صحتِ ایمان کے لیے شرط قرار دیا ہے انہوں نے یہ بات اپنے اس قول کی بنیاد پر کہی ہے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے مگر اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی اس سے یہ لازم آئے گا کہ کسی بھی عمل کا زوال ایمان کے مکمل زوال کا سبب ہوگا اسی لیے انہوں نے گناہ کبیرہ کے مرتکب کو ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دیا ہے معتزلہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو مخلد فی النار، ہمیشہ جہنم میں رہنے والا اور خوارج اسے کافر کہتے ہیں۔ جبکہ مرجئہ، جہمیہ اور ان کے متبعین اور جو ان سے متاثر ہونے والے ہیں ان سب نے تمام اعمال کو ایمان کی تکمیل کے لیے شرط قرار دیا ہے البتہ ایمان کی صحت کے لیے ان میں سے کوئی شرط نہیں مانتا جبکہ اہل سنت والجماعت نے ایمان قول و عمل کو کہا ہے اور بعض اعمال کے نہ ہونے سے ایمان مکمل طور پر زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ چار بنیادی اعمال ہیں۔ ثابت یہ ہوا کہ مطلقاً اعمال کا وجود ایمان کے ثبوت کے لیے ضروری ہے اور ایک ہی دفعہ مکمل طور پر ایمان زائل نہیں ہوتا، ایمان مجمل یا توحید جسے کہتے ہیں جس میں کسی بھی طرح اعمال کا تصور نہیں ہوتا یہ رسول اللہ ﷺ کی پہلی دعوت میں ہوتا تھا (جو کہ تمام رسولوں کی دعوت کی بنیاد ہے) جو کہ آپ ﷺ نے مکہ میں دی تھی اور جس وقت تک

شرائع واحکام نازل نہیں ہوئے تھے یہی ایمان ہوتا تھا یعنی معرفت، تصدیق اور اللہ کے شرائع کو دل سے تسلیم کرنا اور شرک اکبر کے اعمال کو ترک کرنا جو کہ کچھ وہ اسلام کی دعوت سے پہلے کرتے تھے اس وقت ایمان صرف اسی چیز کا نام اس لیے تھا کہ اس وقت تک شرائع واعمال نہیں تھے جن کا مؤمنوں کو مکلّف بنایا جاتا لہٰذا ان کا ایمان تھا رسول اللہ ﷺ کی تصدیق ان کی رسالت کا اقرار اور غیب پر یقین اور توحید کے منافی امور کا ترک کرنا بھی دین کی بنیاد میں داخل ہے جیسا کہ غیر اللہ کو پکارنا غیر اللہ کی عبادت کرنا یا اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف فیصلے لے جانا (التحاکم الیٰ غیر اللہ) اور جب دین مکمل ہوگیا۔ شرائع نازل ہوگئے۔ مسلمانوں سے جو امور مطلوب ہیں ان کی حد بندی اور ان کا تعارف ہوگیا تو ان میں سے ان اعمال کی حد بندی اور تعریف بھی واضح ہوگئی جنھیں ایمان کی صحت کے لیے اللہ نے شرط قرار دیا ہے اگرچہ اہلسنت کا اختلاف اس بارے میں کہ ایمان کی صحت کے لیے کون سے اعمال شرط ہیں۔ ❶

---

❶ ائمہ فقہ نے کتب فقہ میں ان اعمال کے بارے میں بحث کی ہے جو اسلام کی صحت کے لیے شرط ہیں۔ کتب عقائد میں انہیں بیان نہیں کیا جس کی وجہ سے اکثر محدثین کو اشتباہ ہوا ہے کہ عمل کا ایمان سے تعلق ہے یا نہیں؟ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلے کا خلاصہ بیان کیا کہتے ہیں۔ اقرار کے بعد ان ارکان اربعہ کو اگر کوئی شخص ترک کردے تو اس کو کافر قرار دینے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جنھیں امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

❶ کسی نے ارکان اربعہ میں سے اگر ایک بھی ترک کردیا تو کافر ہے یہاں تک کہ اگر حج (اگرچہ اس کی تاخیر کے جواز میں علماء کا باہمی اختلاف ہے) اگر اس کے ترک پر مکمل طور پر پختہ عزم کرلیا تو کافر قرار پائے گا۔ احمد بن حنبل کی روایت کردہ اقوال میں سے یہ بھی سلف سے منقول ایک قول ہے۔ ابوبکر نے اسے پسند کیا ہے۔

❷ اگر ان کے وجوب کا اقراری ہو تو پھر ان میں سے کسی کے ترک پر کافر نہیں ہوگا امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کے متبعین اکثر فقہاء کا یہ مسلک ہے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی روایات میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ابن بطہ نے اسے پسند کیا ہے۔

❸ صرف نماز کے ترک پر کافر قرار دیا جاسکتا ہے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے یہ تیسری روایت ہے اکثر سلف اور مالک، شافعی، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے اصحاب کا قول ہے۔

❹ صرف نماز اور زکوٰۃ کے ترک پر کافر قرار دیا جائے گا۔

❺ نماز اور زکوٰۃ کے ترک سے (کافر ہوجاتا ہے) جب امام اس پر قتال کرے۔ حج اور روزہ کے ترک پر نہیں ہوتا (الایمان الاوسط ص ۱۵۲)۔

حق بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ مسئلہ اختلافی سمجھا جاتا ہے مگر تارک نماز کو کافر نہ کہنے والی رائے ضعیف ترین رائے ہے۔ان کی جو بھی دلیل ہے وہ ان پر رد کی جاتی ہے اگر صحیح طرح اسے جانچا جائے تو۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس موضوع پر (الایمان الاوسط مجموع الفتاویٰ ج ۷) میں رد کیا ہے ایسی رائے رکھنے والوں کے شبہات کا ازالہ کیا ہے ان بنیادی باتوں اور امور کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی آراء تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔جو خاص کر نماز ترک کرنے والے کے کفر پر دلالت کرتی ہیں۔ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم میں کہتے ہیں۔جہاں تک نماز کی بات ہے تو بہت سی احادیث موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس نے نماز چھوڑ دی وہ اسلام سے خارج ہو گیا جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی (مسلمان) اور کفر و شرک کے مابین فرق نماز کا ہے۔اسی طرح کی احادیث بریدہ، ثوبان، انس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی مروی ہیں۔محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ نے عبادہ بن الصامت کے واسطے سے روایت کیا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔جان بوجھ کر نماز مت چھوڑو جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ ملت سے خارج ہو گیا۔معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے دین کی بنیاد اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو خیمے کے ستون کی طرح قرار دیا جس کے بغیر خیمہ کھڑا نہیں رہ سکتا اگر ستون گر جائے تو خیمہ گر جاتا ہے۔اس کے بغیر خیمہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔سعد اور علی رضی اللہ عنہم کہتے ہیں جس نے نماز ترک کی وہ کافر ہوا۔عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے علاوہ کسی بھی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ابوایوب السختیانی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔نماز کا ترک کفر ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔سلف وخلف کی ایک جماعت کی بھی یہی رائے ہے۔ابن مبارک احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے۔اسحاق رحمہ اللہ نے اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔محمد بن نصر المروزی کہتے ہیں۔یہ جمہور محدثین کی رائے ہے۔ان میں سے ایک گروہ کی رائے ہے کہ جس نے اسلام کے پانچ ارکان میں سے کسی بھی رکن کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا وہ کافر ہوا۔سعید بن جبیر، نافع اور حکم رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی منقول ہے۔احمد سے بھی ایک روایت اس طرح کی ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ نے بھی اس رائے کو اپنایا ہے۔ابن حبیب مالکی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا ہر سال حج فرض ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پہ فرض ہو جاتا اور پھر تم اسکی پابندی نہ کر پاتے اور اگر اسے چھوڑ دیتے تو کافر ہو جاتے۔عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے حج نہ کرنے والے پر جزیہ لگایا۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ مومن نہیں۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تارک زکوٰۃ مسلمان نہیں۔احمد رحمہ اللہ سے روایت ہے۔نماز زکوٰۃ کا خصوصاً ترک کفر ہے حج روزہ کا نہیں۔ابن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔مرجئہ نے ترک فرائض کو گناہ شمار کیا ہے اور اسے محارم کے ارتکاب کے برابر قرار دیا ہے۔حالانکہ یہ دونوں کام برابر نہیں۔اس لئے کہ جان بوجھ کر حرام کا ارتکاب اگر حلال سمجھ کر نہ ہو تو یہ معصیت ہے جبکہ فرائض کا ترک بلاعذر و جہل کفر ہے۔(جامع العلوم: ۴۱) ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو لوگ نماز کے تارک کو کافر نہیں کہتے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔سوائے ان دلائل کے جو منکر اور تارک دونوں کے لئے ہیں لہٰذا جو جواب انکا منکر کے بارے میں ہے وہی جواب ان کے لئے تارک کے بارے میں ہے جبکہ نصوص نے کفر کو اعراض کے ساتھ معلق کیا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔یہ ان کے عمومی دلائل سے استدلالات ہیں۔یہ ان کے عمومی دلائل سے استدلالات ہیں۔جن سے مرجئہ دلیل لیتے ہیں۔مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ”جس نے ”لا الہ الا اللہ اور

اسی طرح توحید کو بھی ان اعمال میں سے کسی عمل کے ذریعے یعنی عمل کر کے ثابت کرنا ہوتا ہے جس طرح کہ ایمان کو ثابت کرنے کے لیے عمل کیا جانا ضروری ہے۔اس لیے یہ ناممکن ہے کہ کوئی مسلمان ہو اور اللہ کے بارے میں صحیح رائے (اورعقیدہ) رکھتا ہو اور پھر وہ ساری زندگی کسی بھی صورت میں عملی شرائع یا تعبدی عمل نہ کرے۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عبید اللہ العبسی کہتے ہیں ۔ہمارے

محمد رسول اللہ'' کی گواہی دی اور عیسیٰ کو عبداللہ اور اللہ کا رسول اور اس کا کلمۃ جیسے مریم کی طرف ڈالا گیا اور، روح تسلیم کر لیا اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اس طرح کے دیگر نصوص ہیں ان کے پاس سب سے عمدہ دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے۔پانچ نمازیں اللہ نے دن رات میں بندوں پر فرض کی ہیں جس نے پابندی نہیں کی اللہ کے پاس اس کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔چاہے تو اس کچھ عذاب کرے چاہے تو جنت میں داخل کر دے'' کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں پابندی نہ کرنے والے کو مشیئت کے تابع کر دیا جب کہ کافر مشیئت کے تابع نہیں ہوتا۔مگر اس میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ وعدہ نمازوں کی پابندی کا ہے اور پابندی کا مطلب ہے وقت پر ادائیگی جیسا کہ حکم ہے۔﴿حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطی﴾ اور پابندی نہ کرنے کا مطلب ہے وقت گزرنے کے بعد پڑھنا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خندق والے دن عصر کی نماز موخر کی تو اللہ نے آیت نازل فرمائی کہ عصر کی نماز کی پابندی کرو اور دیگر نمازوں کی بھی۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔﴿فخلف من بعد هم خلف أضاعوا الصلاة واتبعواالشهوات فسوف يلقون غياً (مریم: ۵۹)﴾ ''ان کے بعد ناخلف آئے تو جنھوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور خواہشات کی پیروی کی یہ عنقریب غی میں جائیں گے۔''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ نماز کے ضائع کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ وقت سے مؤخر کرنا۔لوگوں نے کہا ہم تو اس سے ترک مراد لیتے تھے۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ترک کر دیتے تو کافر ہو جاتے۔رسول ﷺ کی حدیث کا مطلب بھی اب واضح ہو گیا کہ مشیئت کے تحت میں تارک نماز نہیں بلکہ موخر کرنے والا مراد ہے۔پابندی نہ کرنے کا مطلب اگر یہ ہوتا (مراد تارکین نماز ہوتب) تو کافر مرتد قرار دیکر انہیں قتل کر دیا جاتا (الایمان الاوسط:۱۵۵) ابن قیم رحمہ اللہ کتاب الصلاۃ میں لکھتے ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ جو لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ نماز کا حکم اللہ نے دیا ہے تو وہ کبھی بھی مسلسل نماز کو ترک نہیں کرتے اس لئے کہ جو لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور ان کے ترک پر شدید عذاب کی وعید سنائی ہے تو ان لوگوں کی طبعیت اس بات آمادہ نہیں ہوتی کہ نمازیں چھوڑیں۔جبکہ وہ فرضیت کا اقرار کرتے ہیں اس لئے کہ آدمی کا ایمان نمازوں پر انسان کو آمادہ کرتا رہتا ہے۔اگر ایک آدمی کے دل میں ایسا کوئی جذبہ نہیں جو اسے نماز کا حکم کرتا رہے تو اس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔ایسے لوگوں کی باتیں نہیں سنی چائیں جن کے پاس دل کے احکام واعمال کا کوئی علم نہ ہو۔(کتاب الصلاۃ:۱۹) ابن قیم رحمہ اللہ کا یہ قول کس طرح باطن وظاہر میں ربط پیدا کرتا ہے۔ہم اس پر مزید گفتگو آگے چل کر کریں گے۔(ان شاء اللہ) ❺ ہم جس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ چاروں ارکان اس بنیاد کی فرع ہیں جس پر ہم گفتگو کر رہے ہے۔

پاس سالم افطس ارجاء (مرجئہ) کا مذہب لے کر آیا تو ہمارے ساتھی اس سے دور بھاگ گئے جن میں میمون بن مہران اور عبدالکریم بن مالک بھی تھے۔اس نے اللہ کی قسم کھالی کہ وہ کسی کے ہاں نہیں ٹھہرے گا سوائے مسجد کے، معقل کہتے ہیں میں نے اس سے بحث مباحثہ اور دلائل کا تبادلہ کیا۔ پھر میں عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے پاس گیا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور اس وقت قرآن کی آیت: ﴿حَتّٰى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (یوسف: ۱۱۰)﴾ پڑھ رہے تھے۔ میں نے کہا مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنی تھی۔انہوں نے مجھے تنہائی فراہم کی۔ میں نے کہا کچھ لوگ ہمارے ہاں آئے ہیں جو کہتے ہیں ہیں کہ نماز اور زکوٰۃ دین میں سے نہیں ہیں۔ عطاء رحمہ اللہ نے کہا۔ کیا اللہ کا فرمان نہیں ہے۔ کہ ﴿وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةُ (البينة: ٥)﴾ انہیں اس بات کا حکم دیا گیا کہ اللہ کی عبادت کریں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو یک طرف ہو کر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی قائم رہنے والا دین ہے۔ تو نماز اور زکوٰۃ دین میں سے ہیں۔

میں نے کہا وہ کہتے ہیں کہ: ایمان میں اضافہ نہیں ہوتا۔ عطاء رحمہ اللہ نے کہا کیا قرآن میں اللہ نے نہیں فرمایا کہ ﴿ليزدادوا ايمانا مع ايمانهم﴾[الفتح: ٤] تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ ہی ایمان میں اضافہ ہو جائے یہی تو ایمان ہے۔ (جس میں اضافہ ہوتا ہے)

میں نے کہا: انہوں نے آپ کے ساتھ چال چلی ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس اپنے ساتھیوں سمیت آئے اور یہی نظریہ انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا تو ان کی رائے کو آپ نے قبول اور تسلیم کر لیا میں نے کہا کیا یہ سچ ہے؟ عطاء رحمہ اللہ نے کہا اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے۔ دو تین مرتبہ قسم کھا کر انکار کیا اور پھر بتایا کہ میں مدینے گیا تو نافع کے پاس بیٹھا تھا ان سے میں نے کہا ابو عبداللہ! مجھے آپ سے کام ہے۔ انہوں نے پوچھا کوئی خفیہ کام ہے یا ظاہر؟ میں نے کہا خفیہ۔ انہوں نے کہا بہت سے خفیہ اور راز کے کام ہوتے ہیں جن سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ میں نے کہا یہ ایسی بات نہیں ہے۔ جب ہم نے عصر کی نماز پڑھی تو وہ کھڑے ہو گئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ لے گئے جب ہم مسجد کے دروازے سے نکلے تو مجھ سے پوچھا کیا کام

ہے؟میں نے کہا تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔انہوں نے کہا بیٹھ جاؤ۔میں نے ان لوگوں کا قول ان کے سامنے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے مجھے حکم دیا گیا کہ میں تلوار سے ان کی گردنیں ماروں جب تک یہ ''لاالٰہ الا اللہ'' نہ کہیں اور جب ''لاالٰہ الا اللہ'' کہہ دیں تو ان کا مال اوران کی جان محفوظ ہوجائے گی۔میں نے کہا وہ کہتے ہیں کہ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ نماز فرض ہے مگرہم پڑھتے نہیں۔ہم شراب کوحرام سمجھتے ہیں مگراسے پیتے ہیں۔ماں سے نکاح کوحرام سمجھتے ہیں مگرہم یہ نکاح کرتے ہیں۔انہوں نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھڑایا اور کہا کہ جس نے یہ کام کئے (یاان میں سے ایک بھی) تو وہ کافر ہے۔[کتاب الایمان ص ١٧٤]

احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھے حمیدی رحمہ اللہ نے بتایا: مجھے معلوم ہوا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز، زکوٰۃ اور حج کا اقرار کرتا ہے مگر مرتے دم تک ان میں سے کوئی عمل نہیں کرتا۔مرتے وقت تک قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے نماز پڑھتا ہے تو پھر بھی مؤمن ہے جب تک کہ وہ ان میں سے ایک یا سب کا انکار نہ کرے البتہ یہ معلوم ہو کہ وہ فرائض اورقبلہ کی طرف منہ کرنے کا قائل تھا۔میری رائے یہ ہے کہ یہ عمل صراحتاً کفر ہے۔[کتاب الایمان ص ١٧٨]

امام آجری رحمہ اللہ ایمان کے معنی کے بارے میں کہتے ہیں: اے اہل قرآن۔اہل العلم۔اہل السنۃ والآثار جنہیں اللہ نے دین کی سمجھ اور فقاہت دی ہے جنہیں حلال وحرام کا علم ہے اگر تم اللہ کے حکم کے مطابق قرآن میں تدبر کروتو تم جان لوگے کہ اللہ نے مؤمنوں پر ایمان باللہ وبرسولہ کے واجب کرنے کے بعد عمل واجب کیا ہے۔اللہ نے مؤمنوں کے لیے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے تعریف کی اور جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے نجات حاصل کرنے کا سبب صرف ایمان اور عمل صالح کو قرار دیا ہے۔یہ ان لوگوں کا ردّ ہے جو کہتے ہیں ایمان معرفت کا نام ہے۔ان کا بھی ردّ ہے جو کہتے ہیں ایمان معرفت اور قول کا نام ہے اگرچہ عمل نہ بھی ہو ایسا کہنے والے کافر ہے۔[الشریعہ للآجری ص ١٢٢]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کے ظاہری اعمال اسلام والے ہوں اوراس کا ایمان بالغیب مضبوط نہ ہو تو وہ منافق ہے ملت سے خارج ہے۔اور اگراس کا ایمان بالغیب پایا جائے مگر احکام واسلام کے شرائع پر عمل

نہیں کرتا تو وہ ایسا کافر ہے کہ اس کے کفر کی موجودگی میں توحید باقی نہیں رہتی ۔[کتاب الایمان لابن تیمیہ رحمہ اللہ ص:۲۸۶]

ایک واضح مثال سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اگر ان سے یہ کہا جائے کہ جب تم ایمان کی تکمیل مراد لینے کے لیے کہتے ہو کہ ان شاء اللہ وہ مؤمن ہے تو پھر کفر کی تکمیل کے لیے یہ کیوں نہیں کہتے کہ انشاء اللہ وہ کافر ہے تو جواب میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ کافر دراصل حق کے منکر کو کہتے ہیں جبکہ مؤمن کے ایمان کی بنیاد اقرار ہے جبکہ انکار کی نہ ابتدا ہے نہ انتہاء لہٰذا ہم حقائق کا انتظار کرتے ہیں۔ایمان کی بنیاد اقرار اور تصدیق ہے اس کے بعد جس چیز کا اقرار کیا ہے اس کے حقائق کی ادائیگی کا انتظار کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ گویا دو آدمیوں پر ایک آدمی کا حق ہے اس نے ایک سے اپنا حق مانگا تو اس نے کہا میرے ذمے تمہارا کوئی حق نہیں۔اس نے انکار کردیا اب اس کے انکار کے بعد اور کوئی ایسا مرتبہ باقی نہیں رہا کہ اس کی کہی ہوئی بات کو ثابت کیا جائے اس نے دوسرے آدمی سے اپنا حق مانگا تو اس نے کہا میرے ذمے تمہارا فلاں فلاں حق ہے مگر اس کا یہ اقرار اس (حق لینے والے) آدمی کو اس وقت تک کوئی فائدہ نہ دے گا جب تک اس کا حق ادا نہ کردے۔لہٰذا حق دار انتظار کرتا ہے کہ اس شخص نے جس بات کا اقرار کیا ہے اب اپنے عمل سے (ادائیگی کرکے) اپنے قول کو ثابت کرتا ہے یا نہیں؟ اگر اقرار تو کرلیا مگر دیا کچھ نہیں تو یہ بھی درحقیقت انکار ہی ہے کہ دونوں عدم ادائیگی میں برابر ہیں۔اپنے قول وقرار کو تب ثابت کرے گا جب یہ اس کا حق ادا کردے گا۔

اب اگر اس نے حق میں سے کچھ حصہ ادا کردیا تو اس نے اپنے اقرار کا ایک حصہ سچ کردکھایا۔جب بھی یہ اس حق میں سے کچھ ادا کرتا جائے گا اس کے قول واقرار کے ثبوت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔جبکہ مؤمن نے جو اقرار کیا ہے اس پر اس اقرار کی ادائیگی ہمیشہ واجب رہے گی جب تک کہ اسے موت نہ آجائے۔[کتاب الایمان لابن تیمیہ رحمہ اللہ ص:۲۷۷]

امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ کلام اس بات کی اچھی طرح وضاحت کرتا ہے کہ بندے پر اپنے کیے ہوئے اقرار میں کچھ کا ادا کرنا ضروری ہے۔اگر اس نے کچھ بھی کبھی بھی ادا نہ کیا تو یہ بھی اس شخص کے برابر ہے جس نے انکار کیا ۔علماء نے اس بات کی بنیاد شریعت اسلامی کے ایک قاعدے پر رکھی ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ۔ظاہر کا باطن کے

ساتھ تلازم ہے (ظاہر و باطن باہم لازم وملزوم ہیں) اللہ نے ظاہر کو باطن پر دلیل بنایا ہے ظاہری عمل ہی باطن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِيِّ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ [المائدہ : ۸۱]

''اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی (ﷺ) پر اور جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لاتے تو یہ ان کافروں کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں سے اکثر فاسق (بے عمل) ہیں۔''

اللہ نے ان کے ظاہری فساد و بگاڑ کو ان کے باطن اور ان کے عقیدے کی خرابی کی دلیل بنایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ

''آپ ایسی قوم نہیں پائیں گے کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور پھر وہ ان لوگوں سے دوستی کرے جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔'' [المجادلۃ:۲۲]

شریعت میں یہ معنی متواتر چلا آ رہا ہے اور اصول میں ایک مقرر شدہ قاعدہ ہے یہاں اس کی تفصیل تو بیان نہیں کی جا سکتی البتہ اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ عمل کا ترک کرنا دل (عقیدے) کی مکمل خرابی پر دلالت کرتا ہے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ اس معنی میں غور کرنا چاہیے۔ جس نے ظاہر کا ربط باطن کے ساتھ پہچان لیا تو اس مسئلے میں اس کی غلط فہمی دور ہو جائے گی شبہات ختم ہو جائیں گے۔ اور وہ جان جائے گا کہ فقہاء میں سے کسی نے یہ کہا ہے کہ جس نے وجوب کا اقرار کیا مگر عمل نہ کیا تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا یا (اگر قتل کیا گیا) تو اسلام کے ساتھ قتل کیا جائے گا (ایک مسلمان کا قتل شمار ہوگا) ان لوگوں میں وہی شبہ داخل ہو چکا جو مرجئہ اور جہمیہ میں داخل ہوا ہے اور ان لوگوں میں بھی یہ شبہ داخل ہو گیا ہے جو کہتے ہیں کہ جازم ارادہ مکمل قدرت کے ساتھ ہو تو اس کے ساتھ فعل میں سے کچھ نہیں ہوتا (یعنی ارادہ جازمہ ہو تو قدرت کے باوجود عمل کی ضرورت نہیں) یہی وجہ ہے کہ ایسے آدمی کے قتل سے منع کرنے والے فقہاء نے (اپنی اس ممانعت کی) بنیاد اس

بات پر رکھی ہے کہ اعمال ایمان میں سے نہیں ہیں جبکہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ اعمال، قلبی ایمان کے لوازمات میں سے ہیں اور قلب کا مکمل ایمان اعمال ظاہری کے بغیر ناممکن ہے۔ چاہے ظاہری اعمال کو ایمان کا لازمہ قرار دیں یا ایمان کا جزء۔ [مجموع الفتاویٰ:ج٧/٦١٦]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ دین کے لیے قول و عمل لازمی ہیں یہ بات ناممکن ہے کہ ایک آدمی کا اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر قلبی ایمان یا قلبی وزبانی دونوں طرح کا ایمان ہو مگر وہ ظاہری واجبات ادا نہ کرے نہ نماز پڑھے، نہ زکوٰۃ دے، نہ روزے رکھے اور نہ دیگر واجبات وفرائض ادا کرے۔ (بعض امور کو وہ اختیار کرتا ہے) مگر اس لیے نہیں کہ اللہ نے واجب کر دیئے ہیں۔

مثلاً امانت ادا کرتا ہے، سچ بولتا ہے یا تقسیم و فیصلے میں عدل سے کام لیتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان کے بغیر ہو تو یہ کام اسے کفر سے نہیں نکال سکتے۔ مشرکین اور اہل کتاب ان امور کو واجب سمجھتے ہیں۔ آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ان واجبات کو ادا نہ کرے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے واجب قرار دیا ہے۔ [مجموع الفتاویٰ ج٧ ص ٢٦١]

فرماتے ہیں: اعمال کے بغیر قلبی ایمان کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا بلکہ جب بھی اعمال ظاہرہ میں نقص و کمی ہو گی قلبی ایمان میں بھی کمی ہوتی جائے گی۔ ❶ [الایمان ص:١٦٩]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمل کے نہ ہونے سے دل کا ایمان بھی معدوم ہو جاتا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ واضح طور پر کہتے ہیں: جب اللہ نے محمد ﷺ کو لوگوں کی طرف بھیجا تو لوگوں پر واجب ہے کہ وہ محمد ﷺ کی لائی ہوئی ہر چیز کی تصدیق کریں آپ ﷺ کے دیئے ہوئے احکام کی اطاعت کریں

❶ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس سے پہلے کہا ہے کہ اصل ایمان وہی ہوتا ہے جو دل میں ہو اعمال ظاہری اس ایمان کا لازمہ ہیں اس سے مراد ایمان کی تکمیل نہیں لینی چاہیے۔ بلکہ یہ اس وقت ہو گا جب کچھ اعمال کم ہوں گے تو (ایمان میں بھی کمی ہو گی) اور اگر تمام اعمال ہی معدوم ہوں تو دل میں موجود ایمان بھی کلی طور پر ختم ہو جائے گا اس لیے کہ جب لازم ختم ہوتا ہے تو ملزوم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں: لازم کی نفی ملزوم کی نفی کی دلیل ہے [الایمان ص ١٠٥] مزید کہتے ہیں: ایمان میں دو چیزیں ہیں ایک لازم دوسرا ملزوم اگرچہ ایمان کی بنیاد دل میں ہوتی ہے [الایمان ص ١٦٩]

۔اس وقت تک پنجوقتہ نمازوں کا، رمضان کے روزوں اور حج بیت اللہ کا حکم نہیں تھا نہ ہی شراب اور سود حرام ہوئے تھے نہ ہی قرآن کا زیادہ حصہ نازل ہوا تھا ایسے میں اگر قرآن کے اتنے حصے کی تصدیق کی جائے جتنا نازل ہو چکا اور شہادتین کا اقرار کرے اور اس کے ساتھ جو ضمنی لوازمات ہیں ان کا اقرار کرے تو یہ شخص مؤمن ہوگا اس کا ایمان مکمل اور ایمان واجب ہوگا۔ اور اگر اسی طرح کا ایمان ہجرت کے بعد لایا تو قبول نہ ہوگا اور اگر اسی پر اکتفا کرلیا تو کافر ہوگا۔[مجموع الفتاوىٰ ج۷ ص ۵۱۸]

اگر ہم علماء کے اقوال جمع کریں اور ان میں تطبیق دیں تو یہ ثابت ہوگا جو کہ تسلیم شدہ بات ہے کہ اعضاء سے عمل کرنا نجات کے لیے اور جہنم میں ہمیشہ رہنے سے بچانے کے لیے لازم ہے۔ ہم نے یہ بات اچھی طرح اس ترتیب کے ساتھ سمجھا دی ہے اور ان علماء کے وہ اقوال بھی اس میں آگئے ہیں جو انہوں نے دوسرے مقامات پر کہے ہیں۔ یا دوسرے قواعد واصولوں کے مطابق کہے ہیں۔ سلف صالحین اور ائمہ امت کے اقوال بعض مسائل میں بظاہر متعارض معلوم ہوتے ہیں جبکہ ان باتوں کو صحیح طرح نہ سمجھا جائے، ان کے بارے میں حسن ظن سے کام نہ لیا جائے اور ان (کے اقوال وآراء) کا صحیح اندازہ نہ لگایا جائے۔ اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ ان کا اختلاف دراصل نقطہ نظر کا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کے سوچنے کی سمت صحیح تھی۔ ایک کے نزدیک نجات پانے والا دوسرے کے نزدیک بھی نجات یافتہ ہے اسی طرح ایک کے نزدیک ہلاک ہونے والا دوسرے کے نزدیک بھی ہلاک ہونے والا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہمیں ان کے اقوال کے سمجھنے میں شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''الایمان'' میں غور کرنے سے ہماری اس بات کی واضح تائید مل جاتی ہے انہوں نے سلف صالحین اور ائمہ دین سے اپنی کتاب ''الایمان'' میں بہت سے اقوال نقل کیے ہیں جن میں بظاہر تعارض وتضاد نظر آتا ہے کہ ایک کہتا ہے کہ اسلام صرف کلمہ کا نام ہے اور ایمان عمل کا نام ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اسلام عقیدے اور قول کا نام ہے۔ کسی نے کہا کہ ایمان قول عمل اور نیت کو کہتے ہیں۔ اس طرح کے دیگر اقوال وآراء بھی ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ تعارض وتضاد سے محفوظ تھے یہ صرف نقطۂ نظر اور زاویہ نظر کا اختلاف ہے اصل میں سب ایک ہیں سب کے سب صحیح سمت کی طرف متوجہ ہیں (تضاد اس لیے نظر آتا ہے کہ) ان کے اقوال کو صحیح طرح سمجھا نہیں جاتا دلائل میں تطبیق نہیں دیجاتی ہر ایک قول کو اس کے صحیح مقصد کے مطابق دیکھا نہیں جاتا

۔موجودہ دور کے کم علم لوگ ظاہری عبارت کو ہی دیکھتے ہیں اور پھر ظاہری عبارات سے ان لوگوں کے سامنے وہ مقاصد ومطالب آجاتے ہیں جو ان ائمہ کے مقاصد نہیں تھے ۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس بارے میں سلف اور ائمہ سنت کے اقوال ہیں جن میں ایمان کی تفسیر کی گئی ہے کبھی تو وہ کہتے ہیں کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے۔ کبھی کہتے ہیں قول، عمل اور نیت کا نام ہے۔ کبھی کہتے ہیں قول، عمل، نیت اور اتباع سنت کا نام ایمان ہے۔ کبھی کہتے ہیں زبان سے اقرار، دل سے اعتقاد اور اعضاء سے عمل کا نام ایمان ہے۔ یہ سب اقوال صحیح ہیں۔[الایمان ص:۱٤٦]

پھر وضاحت کرتے ہیں: یہاں مقصود یہ ہے کہ سلف میں سے کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اس سے مراد دل اور زبان کا قول اور دل واعضاء کا عمل ہے جس نے اعتقاد مراد لیا ہے اس نے سوچا کہ لفظ قول سے صرف ظاہری قول ہی سمجھ میں آتا ہے یا اس طرح سمجھے جانے کا اندیشہ تھا اس لیے اس نے اعتقاد بالقلب کا اضافہ کیا۔ جس نے کہا کہ ایمان قول ۔عمل اور نیت کا نام ہے اس کے خیال میں قول میں زبانی واعتقادی قول شامل ہے ۔ چونکہ لفظ عمل سے نیت ثابت نہیں ہوتی اس لیے اس نے نیت کا اضافہ کیا جس نے اتباع سنت کا اضافہ کیا تو یہ اس لیے کہ اللہ کو ایمان صرف اتباع سنت کی وجہ سے ہی پسند آتا ہے۔ ان لوگوں نے ہر قول وعمل مراد نہیں لیا بلکہ وہ قول وعمل مراد لیا ہے جو مشروع ہو لیکن چونکہ ان کا مقصد مرجئہ کا ردّ بھی تھا (جو صرف قول کو ایمان کہتے ہیں) لہٰذا انہوں نے کہا کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے۔ جن لوگوں نے چار چیزوں کو ایمان کہا ہے تو اس کی وجہ ہے سہل بن عبداللہ کا جواب جب ان سے ایمان کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا قول، عمل، نیت اور سنت، ایمان اگر قول بلا عمل ہو تو یہ کفر ہے ۔ اگر قول وعمل بلا نیت ہو تو نفاق ہے اور اگر قول، عمل اور نیت بلا سنت ہو تو بدعت ہے۔[الایمان ص:۱٤٦]

پھر اس بارے میں لوگوں کو جو غلط فہمی ہوئی ہے وہ دو بڑی وجوہات کی وجہ سے ہوئی:

① کفر عملی کے معنیٰ کو سمجھنے میں غلطی کرنے کی وجہ سے:

② ظاہری حکم کے اجراء کے لیے کیا لازم ہے؟ اور آخرت کے احکام کیا ہیں؟ ان دونوں کو باہم خلط ملط کرنے کی وجہ سے۔

ہم ان شاءاللہ دونوں باتوں کی وضاحت کردیتے ہیں۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

① کفرِ عملی کے معنیٰ کو سمجھنے میں غلطی:

ان لوگوں کی رائے ہے کہ کفرِ عملی ایسا کفر ہے جو ملت سے مطلقاً خارج نہیں کرتا۔ انکا اعتقاد یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو اعضاء سے کیا جائے اور کافر بنا دینے والا ہو وہ ملت سے خارج نہیں کرتا اس لیے کہ یہ اعضاء سے کیا گیا ہے اس میں اعتقاد کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ انہوں نے یہ کیسے خیال کرلیا کہ کافر بنا دینے والے ہر عمل سے لازم نہیں کہ اعتقاد بھی ختم ہوگیا ہو؟ ان کے نزدیک ہر عملی کفر چھوٹا کفر ہوتا ہے ملت سے خارج کرنے والا نہیں ہوتا۔ کفرِ عملی سے مراد وہ معصیات ہیں جنہیں شارع نے کفر کہا ہے مگر اس پر کفرِ اکبر کا اطلاق نہیں ہوتا اس لیے کہ شریعت کے دیگر دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ (معصیات) کفرِ اکبر میں سے نہیں ہیں۔ کتاب ''اعلام السنة المنشورة لاعتقد الطائفة الناجية المنصورة '' کے مصنف لکھتے ہیں۔
(کفرِ عملی) ہر اس معصیت کو کہتے ہیں جسے شارع نے کفر کہا ہے اور اس کے مرتکب کو پھر بھی ایمان کے ساتھ متصف مانا جاتا ہے جیسا کہ رسول ﷺ کی حدیث ہے۔

((لاترجعوا بعدی کفارًا یضرب بعضکم رقاب بعض))

''میرے بعد کافر مت بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

دوسری حدیث میں ہے۔

((سباب المسلم فسوق وقتاله کفر))

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا یا اس سے قتال (جنگ) کرنا کفر ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی آپس کی جنگ اور قتال کو کفر کہا ہے (جبکہ اللہ کے فرمان میں ان سے ایمان کی کسی قسم کی نفی نہیں کی گئی۔ آیت ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا[الحجرت:٩]

''اگر مؤمنوں میں سے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو ان میں صلح کرادو۔''

اورفرمایا۔

اِنَّمَاالۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡابَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ [الحجرت:۱۰]

''مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں پس تم اپنے بھائیوں میں صلح کراؤ۔''

آیت قصاص میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَمَنۡ عُفِیَ لَهٗ مِنۡ اَخِيۡهِ شَیۡءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَاَدَآءٌ اِلَيۡهِ بِاِحۡسَانٍ [البقرۃ:۱۷۸]

''جس (قاتل) کے لیے اس کے (مقتول) بھائی (کی دیت) میں سے کچھ معاف کر دیا جائے تو رواج کے مطابق اس کو ماننا اور اچھے طریقے سے ادا کرنا ہے۔''

اللہ نے قاتل کے لیے بھی ایمان ثابت کیا ہے اس کی نفی نہیں کی۔ اسی طرح رسول ﷺ کا فرمان ہے۔

((لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن.........))

''زانی جب زنا کر رہا ہو تو وہ مؤمن نہیں ہوتا، چور جب چوری کر رہا ہو تو وہ مؤمن نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پی رہا ہو تو وہ مؤمن نہیں ہوتا اور توبہ اس کے بعد بھی موجود ہے۔''

ایک روایت میں آتا ہے کہ: ((ولا یقتل وھو مؤمن)) ایک آدمی قتل کر رہا ہو تو وہ مؤمن ہو نہیں ہوتا، ایک روایت میں ہے کہ، ایک شخص سرعام ڈاکہ مار رہا ہو تو وہ مؤمن نہیں ہوتا۔ [یہ حدیث صحیحین میں ہے]

اس کے ساتھ ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ملائیں تو اس میں ہے کہ جس شخص نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اور اسی پر مر گیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا میں نے پوچھا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو؟ اور چوری کی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چہ زنا کیا ہو، چوری کی ہو آپ ﷺ نے تین مرتبہ کہا، چوتھی مرتبہ آپ ﷺ نے کہا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے نہ چاہتے ہوئے بھی۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زانی، چور، شرابی اور قاتل سے ایمان اور توحید کی مطلقاً نفی نہیں ہوتی۔ اگر یہ بات ہوتی تو آپ ﷺ کبھی نہ کہتے کہ جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اور اسی پر اسے موت آ گئی تو وہ جنت میں جائے گا اگر چہ مذکورہ معصیات کا مرتکب رہا ہو۔ [1]

---

[1] ہم یہاں ایک بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ وہ یہ آپ ﷺ نے جس مرتکب معصیات کے جنت میں جانے کی اور کفر کی نفی کی بات کی ہے اس سے مراد ہے موحّد نافرمان۔ جب کہ فرائض کے ترک کی بات اور ہے۔ اس کی حیثیت الگ ہے۔ اس لیے کہ ⇦

جنت میں داخل نہیں ہوگا سوائے مؤمن نفس کے (اعمال مذکورہ زنا وغیرہ کی وجہ سے ایمان کی نفی سے) نبی ﷺ کا مقصد ہے، کمال ایمان کی نفی۔ [اعلام السنة المنشورة ص:۲۰۰، العقیدہ لحافظ حکمی ص:۷۵]

مگر صاحب کتاب نے خود بیان کیا ہے کہ کچھ ایسے اعمال بھی ہیں جو صرف اعضاء سے کئے جاتے ہیں وہ اعمال بھی اپنے کرنے والے کے کفر کا سبب بنتے ہیں۔ اس پر اجماع ہے جیسا کہ بت کے آگے سجدہ کرنا۔ باوجودیکہ اس نے عملی کفر کیا ہے اعتقادی نہیں کیا ہے۔

سوال تو پھر بت کو سجدہ کرنا، کتاب اللہ کی توہین کرنا، رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینا، دین کا مذاق اڑانا وغیرہ امور جو کہ بظاہر کفرِ عملی کی صورتیں ہیں یہ دین سے کیوں خارج کر دیتی ہیں؟

جواب یہ چاروں کام ایک لحاظ تو عملی کفر نظر آتے ہیں کہ یہ اعضاء سے کیے جاتے ہیں مگر یہ اعضاء سے تب ہی سرزد ہوتے ہیں جب دل کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ نیت، اخلاص، محبت، اطاعت میں سے کچھ باقی نہیں رہتا (تب یہ امور سرزد ہوتے ہیں) لہٰذا یہ امور اگرچہ بظاہر عملی کفر ہیں مگر اعتقادی کفران کے ساتھ لازم ہے یہ کام تب ہی سرزد ہوتے ہیں جب آدمی منافق۔ اسلام سے خارج اور اسلام سے بغض رکھنے والا بن چکا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین کو غزوۂ تبوک میں کافر کہا گیا تھا۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا [التوبة:۷٤]

⇦

⇦ فرائض میں سے کچھ ایسے ہیں کہ ان کے ترک سے کفر اکبر لازم آتا ہے اور کچھ ایسے ہیں کہ ان کے ترک سے کفر لازم نہیں آتا۔ جن لوگوں نے فرائض کے ترک اور معصیات کے ارتکاب کو برابر قرار دیا ہے وہ مرجئہ ہیں جیسا کہ پہلے ہم نے ابن رجب رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ مرجئہ نے فرائض کے ترک کو محارم کے ارتکاب کے برابر قرار دیا ہے حالانکہ یہ دونوں برابر نہیں اس لیے کہ محارم کا ارتکاب اگر حلال سمجھے بغیر جان بوجھ کر کیا جائے تو یہ معصیت ہے جبکہ فرائض کا ترک بغیر عذر کے اور جان بوجھ کر تو کفر ہے۔ [جامع العلوم والحکم لابن رجب ص۴۱] ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس کام کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا کرنا زیادہ اہم ہے بنسبت اس حکم کے چھوڑنے کے جس کے چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور جس کے کرنے کا حکم ہے اس کا ترک زیادہ بڑا گناہ ہے منع شدہ حکم کے ارتکاب کی بنسبت۔ بنی آدم کا ثواب حکم دیئے ہوئے اعمال کو بجالانے کا زیادہ بڑا ہے ممنوعہ فعل سے رک جانے کی بنسبت اور ان کا عذاب ترک واجبات پر زیادہ بڑا ہے محرمات کے ارتکاب پر ملنے والے عذاب کی بنسبت۔ [مجموعۃ الفتاوی ج۲ ص۸۵] اس پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اٹھائیں (۲۸) دلائل سے استدلال کیا ہے۔ اس کا مطالعہ کریں۔

''انہوں نے کفریہ کلمہ کہا اور اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے اور اس چیز کا قصد کیا جو انہوں نے نہیں پائی تھی۔''

جب انہوں نے یہ جواب دیا کہ ہم تو باتیں کر رہے تھے۔ اور کھیل رہے تھے۔

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ

''کہہ دیجئے! کیا اللہ کے ساتھ، اس کی آیات اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ تم مذاق کرتے ہو۔ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔'' [التوبة:٦٦،٦٥]

ہم نے کفر عملی اصغر کے بارے میں مطلقاً کچھ نہیں بتایا بلکہ ہم نے صرف کفر عملی کی بات کی ہے جو نہ تو اعتقاد کو مستلزم ہے نہ ہی وہ دل کے قول و عمل کے منافی ہے۔[اعلام السنة المنشورة ص٧٦]

ثابت یہ ہوا کہ ایک کفر اکبر ہے جو ملت سے خارج کر دینے والا ہے اور یہ کفر اعضاء کے عمل سے وجود میں آتا ہے اس وقت اسے کفر عملی کفر اصغر نہیں کہنا چاہیے چونکہ وہ صرف اعضاء سے سرزد ہوا ہے (اس لیے کفر اصغر ہے) جب تک کہ وہ ان معاصی کے ساتھ خلط نہ ہو جائے جن پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے۔ جبکہ وہ کفر اصغر ہوتا ہے ۔تو لوگ اس کفر کو اس میں سے سمجھ لیتے ہیں۔ یہاں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ جس نے اس فرق کے بارے میں لوگوں کو غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ اعضاء کے عمل کو کفر اصغر کہتے ہیں کہ یہ عملی کفر ہے۔ اگرچہ وہ کفر اکبر ہی کیوں ثابت نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ دراصل یہ کفر عملی ہے جو اعضاء سے کیا گیا ہے۔ تو کیا یہ کفر اصغر ہے؟ ملت سے خارج نہیں کرتا؟ [کفایة الاخیار ج ٢ ص ٢٠٠]

② دنیا میں ظاہری حالت پر حکم لگانا اور آخرت کے حکم کو خلط ملط کرنا۔

اصول یہ ہے کہ دنیا میں کسی پر کوئی حکم جاری کرنا ظاہری حالات پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

((افلا شققت عن قلبه))

''تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا؟''

دوسری حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے لوگوں کے دلوں میں جھانکنے یا ان کے پیٹ کے اندر دیکھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہ اصول کی کتابوں میں ثابت شدہ قاعدہ ہے۔ یہ شریعت کی بنیاد ہے اس پر تمام احکام کا دارو مدار ہے۔ جیسا کہ شاطبی رحمہ اللہ نے الموافقات ج ا ص ۲۳۳ پر لکھا ہے: یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ظاہری اعمال کو باطن پر دلیل بنایا ہے اگر ظاہر غلط ہوگا تو باطن پر وہی حکم لگایا جائے گا اگر ظاہر صحیح ہے تو باطن کو صحیح سمجھا جائے گا۔ فقہ کا بھی یہی اصول ہے اور دنیاوی معاملات و تجربات کا بھی۔ بلکہ اس طرح کرنا شریعت میں بہت زیادہ مفید بھی ہے اور اس پر صحیح دلائل بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ یہ عمدہ اور مفید اس لیے ہے کہ اس کے ذریعے سے مؤمن کا ایمان، کافر کا کفر، مطیع کی اطاعت، نافرمان کی نافرمانی، عادل کی عدالت اور مجروح کی جرح معلوم کی جاسکتی ہے۔ اسی ظاہر کو مدنظر رکھ کر ہی خرید وفروخت ہوتی ہے اور معاہدے قرار پاتے ہیں۔ بلکہ یہ شریعت کی بنیاد اور مکلّف بنانے کے لیے ستون کا کام کرتا ہے اس لحاظ سے کہ حدود اور عام وخاص شعائر اسی ظاہر کو مدنظر رکھ کر لاگو کیے جاتے ہیں۔

اسی اصولِ کلی پر علماء وفقہاء نے ایمان کے مسئلے کی بنیاد رکھی ہے۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ دنیا میں حکم لگانے کے لیے ظاہری اسلام ضروری ہے اور (ظاہری اسلام سے مراد ہے) اقرار باللسان، ان کی طرف سے یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ شہادتین کا اقرار کرنے والا ان کے مدلول (معنی ومقصد) کو بھی حاصل کرنے والا شمار ہوتا ہے اور عمومی فروعی مسائل میں اطاعت کرنے والا بھی ہوتا ہے۔ یہ شرکیہ اعمال کو ترک کرنے والا ہوتا ہے ان اعمال کو بجالانے والا ہوتا ہے جو اسلام کی صحت کے لیے شرط ہیں وہ اسلام جس میں شہادتین کے ذریعے یہ داخل ہو چکا ہے۔ اگر اس اقرار کے بعد اس سے ایسے کام سرزد ہو جاتے ہیں جو اس کے مفہوم ومقصد کے خلاف ہیں مثلاً شرکیہ اعمال کرنا، یا اسلام کی صحت کے لیے شرط قرار پانے والے امور واعمال کو ترک کرنا تو پھر اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا یا کفر اصلی کا (یعنی کہ یہ مسلمان ہوا ہی نہیں تھا) یا کفر ارتداد کا، اس حکم پر اختلاف ہے کہ کفر اصلی ہوگا یا کفر ارتداد کا۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری میں کہتے ہیں: ہمارے نقطۂ نظر کے مطابق ایمان صرف اقرار کا نام ہے جس نے اقرار کرلیا اس پر دنیاوی احکام جاری ہوں گے اس پر کفر کا حکم اس وقت لگے جب وہ کوئی ایسا عمل کرلے گا

جو کفر پر دلالت کرتا ہو جیسے بت کو سجدہ کرنا۔ ❶ [فتح الباری ج ١ ص ٤٦]

اسی طرح جو آدمی تمام اعمال کا تارک ہو اور اگر وہ کافر ہو کفر باطنی کے ساتھ (مگر اس کا ظاہری (کفر) ثابت کرنا مشکل ہے) تو اس پر حکم (کفر کا) نہیں لگایا جائے گا دنیاوی احکام کے لحاظ سے وہ مسلمان شمار ہو گا جب تک کہ شرکیہ اعمال کے کرنے یا واجب اعمال کے ترک سے اس کا کفر ثابت نہ ہو جائے۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مسئلے کے دو ② رخ ہیں۔

① کفر ظاہر کا اثبات:

② کفر باطن کا اثبات:

پھر فرماتے ہیں ان دو باتوں کی وضاحت سے شبہات ختم ہو جائیں گے بہت سے فقہاء کا خیال ہے کہ جس کے بارے میں کہا جائے کہ وہ کافر ہے تو پھر اس کے اوپر واضح مرتد کے احکام جاری کرنے ضروری ہیں نہ اسے وارث نہ مورث بنایا جائے نہ اس کا نکاح (مسلمان عورت سے) کیا جائے یہاں تک کہ انہوں نے یہ احکام ان اہل بدعت پر بھی جاری کیے ہیں جنہیں ان فقہاء نے تاویل کی بنیاد پر کافر کہا ہے۔حالانکہ یہ بات اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ لوگوں کی تین اقسام ہیں۔ مؤمن، کافر، منافق یعنی بظاہر مسلمان باطنی طور پر کافر، منافقین میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہیں ان کی واضح نشانیوں کی وجہ سے لوگ پہچانتے تھے بلکہ ان کے

---

❶ ابن حجر رحمہ اللہ نے پہلے کہا ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ (ایمان) عمل، زبان سے اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ان کے اور سلف کے درمیان قول کا فرق یہ ہے کہ معتزلہ نے اعمال کو ایمان کی صحت کے لیے شرط قرار دیا ہے جبکہ سلف نے ایمان کی تکمیل کے لیے شرط مانا ہے۔اس بات میں کسی کو الجھن نہیں ہونی چاہیے کہ کہ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق سلف نے عمل کو ایمان کی تکمیل کے لیے شرط قرار دیا ہے؟ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ تکمیل ایمان کے لیے شرط اکثر اعمال کی ہے تمام اعمال کی نہیں۔ابن حجر رحمہ اللہ کے قول میں ایسا کوئی ذکر نہیں ہے کہ سلف نے تمام اعمال کو شرط مانا ہو۔ابن حجر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:"السلف جعلو ها شرطاً فی الکمال" یہ عام لفظ ہے۔اس میں تخصیص کی گنجائش ہے اس میں اور دوسرے قول میں ہمارے بیان کردہ طریقے کے مطابق تطبیق دی جا سکتی ہے کہ علماء کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے ان کے اقوال میں خصوصاً عقیدے سے متعلق اقوال میں تطبیق دی جا سکتی ہے یہاں ابن حجر رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ سلف نے اطاعات کرنا اور معاصی ترک کرنا شرط قرار دیا ہے تکمیل ایمان کے لیے۔تمام اعمال کو مطلقاً شرط قرار نہیں دیا اسی طرح ہر اس شخص کا قول جس نے اعمال کو تکمیل کے لیے شرط قرار دیا ہے۔[ابن تیمیہ رحمہ اللہ حافظ حکمی رحمہ اللہ ص ۲۰ و کلام ابن رجب رحمہ اللہ ص ۲۲]

نفاق میں کسی قسم کا شک نہیں کرتے تھے جیسا کہ عبداللہ ابن ابی وغیرہ، مگر اس کے باوجود جب وہ لوگ مر گئے تو مسلمانوں میں سے جو ان کے وارث تھے انہیں میراث ملی اسی طرح ان کو بھی مسلمان مورث کی میراث ملتی ان کا مال اور خون محفوظ تھا جب تک کہ ان میں سے کسی ایک کو سنت کے مطابق کسی سزا کا مستحق قرار نہ دیا جائے۔[الایمان الاوسط ص۱۵۹]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس وضاحت سے مندرجہ ذیل امور کی تفصیل سامنے آتی ہے۔

① مکمل طور پر تمام اعمال کا ترک کفر باطن کو ثابت کرتا ہے (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) اگر چہ یہ کفر ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے لہٰذا اس پر صرف ظاہری (کفر کا) حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

② اس پر حد اس وقت لگے گی جب اس سے واضح طور پر مرتد والا کام سرزد ہو جائے ایسا کام جو دلیل قاطع سے اس کا کفر اکبر ثابت کرتا ہو جیسے شرکیہ عمل کا ارتکاب، یا ان اعمال کو ترک کر دینا جو صحت اسلام کے شرط ہیں۔

اس گزشتہ عبارت کا خلاصہ یہ نکلا کہ:

① ایمان قول وعمل کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

② ایمان پر جو کمی زیادتی وارد ہوتی ہے وہ اس کے درجات کی تکمیل میں ہوتی ہے۔ایمان کی ایک بنیاد اور کم سے کم درجہ ہے جس کی موجودگی میں (اتنا ہوتا ہے کہ) اس کا حامل جہنم میں ہمیشہ رہنے سے نجات حاصل کر لیتا ہے (ایمان کا یہ کم سے کم درجہ) توحید اور اس کے لوازمات یا تقاضے ہیں یعنی شرکیہ اعمال کو ترک کر دینا، صحت ایمان کی شرط قرار پانے والے اعمال کا بجالانا جس تک یہ اعمال (وشرائع) پہنچ جائیں (اس مسئلہ میں اگر چہ اختلاف ہے)

③ جہنم میں ہمیشہ رہنے سے نجات کے لیے اعمال کی جو مقدار کافی ہے وہ اتنی ہے کہ شریعت کے اس قاعدے کے تقاضوں کے مطابق ہو جو ظاہر و باطن کو باہم لازم وملزوم بناتے ہوں یہ ایسا اصول ہے جو شریعت کے کلی اصولوں میں سے ہے۔اس لیے یہ ناممکن ہے کہ دل میں ایمان کی بنیاد ہو اور پھر یہ ایمان اس شخص (صاحب ایمان) کو پوری زندگی میں اعمال پر آمادہ نہ کر سکے؟ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی بات کو ان الفاظ میں

بیان کیا ہے کہ اگر ارادہ جازمہ ہو اور طاقت وقدرت بھی ہو تو ناممکن ہے کہ تمام اعمال ترک کر دیئے جائیں (اگر ایسا ہوا تو پھر) سرے سے توحید ہی صحیح نہیں ہے۔

④ اس بنیادی مسئلے کی فرع یہ ہے کہ اعمال معینہ کا چار بنیادی مسائل میں اثبات جو کہ اسلام کی صحت کے لیے شرط ہیں۔ اگر چہ اس میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اس فصل کو ختم کرنے سے پہلے ہم دوبارہ تاکید کے ساتھ ان معروف معانی کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے ذہن ان کے بارے میں الجھن کا شکار نہ ہوں۔ وہ معروف معانی ومطالب مندرجہ ذیل ہیں:

① دل میں ایمان کی بنیاد ثابت کرنے کے لیے اعمال واجبہ کی بجا آوری لازم ہے اس لیے کہ یہ اعمال دلالت کریں گے کہ اس شخص کے دل میں اس قدر ایمان موجود ہے کہ جو اس کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے سے نجات دلا سکتا ہے۔ ان اعمال کا مکمل طور پر معدوم ہونا اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس شخص کے دل میں اس قدر ادنی درجے کا ایمان بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ ظاہر وباطن باہم لازم وملزوم ہیں۔ اعمال خود تو دین کی اصل وبنیاد میں داخل نہیں ہیں مگر دین کے ثبوت کے لیے ضروری ہیں باطن میں ایمان کی موجودگی پر دلیل ہیں ایمان کی بنیاد تو دل میں ہوتی ہے جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الایمان ص ۳۰۸ میں لکھا ہے مگر اعمال کا مکمل طور پر نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں ایمان نہیں ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینا کفر ہے اس لیے کہ یہ دلی عقیدے کی نفی کی دلیل ہے حالانکہ یہ گالی دینا عمل ہے۔ [الصارم المسلول ابن تیمیہ رحمہ اللہ]

اعمال دراصل دلیل ہیں یا کفر اکبر کی، یا دل کے عقیدے کے خاتمے کی اور مکمل طور پر ایمان کی نفی کی، لہٰذا یہ فرق یاد رکھنا چاہیے جو اصل ایمان ہے اور جو اس ایمان کے ساقط ہونے پر دلیل ہے یعنی تمام اعمال کا ترک کرنا تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اعمال ایمان کی اصل وبنیاد میں داخل ہیں۔ اگر چہ یہ بھی بعض لوگوں کا مذہب ہے مگر اس کا ردّ اور ابطال عنقریب آ رہا ہے جہاں خوارج پر تنقید ہوگی۔ ان شاء اللہ

② یہ فیصلہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن تک شریعت کے احکام پہنچ چکے ہوں ان سے عمل کا تقاضا ہو چکا ہو۔ ❶

تمام رسولوں پر جو دین نازل ہوا تھا اس میں اور اعمال کو مکمل طور پر ترک کر دینے والے میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لیے کہ اس قدر ایمان (جس کا ذکر حاشیہ ص ۴۲ میں ہوا) اس شخص کے لیے صحیح مانا جائے گا جس تک احکام وشرائع نہیں پہنچے یا ان کے نازل ہونے سے پہلے فوت ہو گیا ایسے لوگوں کا ایمان قول وعمل ہو گا۔ عمل سے مراد ہے اعمال شرکیہ کو مکمل طور پر ترک کر دینا اور اللہ اور مؤمنوں کے ساتھ دوستی اور تعلق رکھنا۔ البتہ جس کو شرائع واحکام پہنچ گئے ہوں اس سے ان کا تقاضا ومطالبہ کیا جا چکا ہو تو اس کے لیے توحید کو ثابت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شرکیہ اعمال کو مکمل طور پر ترک کر دیا جائے اور ان اعمال کو بجالایا جائے جو اسلام کی صحت کے لیے شرط ہیں اس ایمان کے ثبوت کے لیے اعمال ضروری ہیں۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

❶ دین کی بنیاد توحید ہے توحید الوہیت وتوحید ربوبیت، یہ توحید تقاضا کرتی ہے اس بات کا کہ فیصلہ صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کرایا جائے۔ دوستی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہو۔ عبادات صرف ایک اللہ کے لیے ہوں۔ اتنی مقدار میں ایمان شرائع واعمال کے نزول سے پہلے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مکی دور میں تھا۔ [کتاب الایمان]

((تیسری فصل))

اعتقاد

گذشتہ سطور میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔اور اس کی ایک بنیاد ہے جو کہ لازم اور واجب ہے اس شخص کے لیے جس کو شرائع واحکام پہنچ چکے ہوں اور اس کی اصل ہے توحید کو اپنا اور شرک کو ترک کرنا، ان اعمال کو بجالانا جو اسلام کی صحت کے لیے شرط ہیں۔ہم ایمان کا شرعی معنی مزید تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے اس کے مرکبات اور اجزاء بیان کرکے اور ان اشیاء کا بیان کہ جن کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتا۔ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایمان کا کچھ حصہ یا جزء دراصل ایمان نہیں ہوتا بلکہ ایمان دراصل چند اشیاء کے مجموعے کا نام ہے جب وہ سب موجود ہوں تو ایمان کہلاتا ہے۔

[الملل والنحل ج ٣ص ٢١٥]

یہ بات ابن حزم رحمہ اللہ نے ان لوگوں سے بحث کے دوران کی تھی جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق یا تصدیق اور لفظی اقرار کا نام ہے عمل اس میں شامل نہیں ہے۔ابن حزم رحمہ اللہ کا یہ قول ایمان کی حقیقت اور بنیاد کو واضح کرتا ہے اس کے تین معنی بنتے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں۔

① **علم:** معلومات کی حقیقت و ماہیت کا ادراک[العدة فی اصول الفقة لابی یعلی ج١ ص ٧٦] **مطلب** یہ ہے کہ آدمی کو ایمان کے معاملے کی پوری معلومات ہونی چاہیے کہ اس کے ایمان کا مدار کس چیز پر ہے؟ اسلام کے لحاظ سے اگر معلومات یا معرفت کی بات ہو یعنی اسلام کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے رب کو پہچانے اس کی ربوبیت کی صفات کو پہچانے کے ساتھ حقوق الوہیت کو پہچانے کہ جنہیں کسی صورت میں کسی اور کے لیے نہیں کرنا (کفر) ہے۔اس کے ضمن میں رسولوں کو اور وحی کو ماننا جو عقیدہ توحید کے اصولوں کو ماننے کے لیے ضروری ہے، توحید ان کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتی۔مسلمان کے لیے ان سے باخبر رہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے ورنہ مسلمان نہیں ہوگا۔اعتقاد معرفت کی فرع ہے آدمی کسی ایسے مسئلے پر یقین وایمان کیسے رکھ سکتا

ہے جسے وہ جانتا نہ ہو یا اس کے لوازمات سے واقف نہ ہو۔ ❶ جہمیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ توحید صرف معرفت ہے۔ ❷

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ: ایمان صرف دلی طور پر اللہ کی معرفت کا نام ہے۔ اگر چہ اپنی زبان وعبادت سے وہ یہودیت، نصرانیت یا اور کوئی کفریہ (مذہب) کا اظہار کرتا ہو جب اللہ کی معرفت دلی طور پر حاصل کرلی تو مسلمان ہے جنتی ہے۔ [الملل والنحل ج۳ ص۱۸۸] حالانکہ اتنی سی بات ایمان کے ثبوت کے لیے کافی نہیں ورنہ ابلیس بھی مؤمن ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اس نے اللہ سے عرض کی تھی۔

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ [اعراف:۱٤]

''میرے رب مجھے اس دن تک مہلت دیدے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔''

یہ بھی اس نے کہا تھا:

اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ [الحشر:۱٦]

---

❶ ہماری یہ بحث الجہل فی الشریعہ الجواب المفید فی حکم جاہل التوحید میں ہے اور کیا کچھ توحید کے بارے میں جاننا ضروری ہے اس کی بھی تفصیل ہے جیسا کہ ہم نے کہا کہ کسی بھی شخص کو مسلمان بننے کے لیے ان سے ناواقفیت ناممکن ہے تو یہ توحید کے بارے میں ہے جبکہ اصول اعتقادیہ کی جہاں تک بات ہے یا اصول قطعیہ کی کہ جن میں ضروری ہے کہ اس کی (حقیقت تک) رسائی ہو ورنہ عام لوگوں پر یہ اصول مخفی رہتے ہیں۔ وہ ہماری اس بحث سے خارج ہیں اور ایمان کی بنیاد کے لیے جن حدود کا معلوم کرنا ضروری ہے ان سے بھی یہ خارج ہیں۔

❷ جہمیہ نے اہل سنت سے اپنے مقصد میں معرفت حاصل کی ہے (یعنی معرفت کی اصطلاح یا اصول، جہمیہ نے اہل سنت سے لیا ہے) جب اہل سنت نے کہا معرفت (علم یا موضوع کی معلومات) کے ساتھ تصدیق یا تکذیب لازم نہیں ہے البتہ علم کا معنی اگر یہ کرلیا جائے کہ کسی چیز کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کی حقیقت کیا ہے تو اس کے ضمن میں تصدیق بطریق لزوم کے ہوگی مگر اس کے ساتھ یہ ضروری نہیں ہے کہ تکذیب فی النفس بھی ہو اگر چہ ظاہری تکذیب زبان کے ساتھ انکار کے طور پر کرنے کا امکان ہو۔ جبکہ جہمیہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کی حقیقت کے بارے میں علم نفسی ثابت ہو تو اس کے ساتھ ممکن ہے کہ حقیقۃ الامر میں تکذیب نفسی بھی ہو حالانکہ اس کا تصور تک ناممکن ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بارے میں اہل سنت والجماعۃ کا مسلک ذکر کیا ہے تفصیل کے لیے۔ [الرسالۃ التسعینیۃ فتاوی کبری ج۵ ص۱٦۳]

”میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے۔“ اس بات میں اہلسنت کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ❸

② **تصدیق:** آج کل اکثر داعیان اسلام کو یہ غلط فہمی ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے پھر انہوں نے تصدیق کا معنی یہ لیا ہے کہ صرف خبر یا خبر دینے والے کی تصدیق، یعنی کہ آپ کے پاس کوئی شخص کسی قسم کی خبر لایا اور آپ نے کہا یہ سچ کہہ رہا ہے یہ تصدیق ہوگئی۔ یہی معنی انہوں نے تصدیق کے شرعی مفہوم پر بھی لاگو کر دیا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف صدیق کی نسبت کر دی یہ کہہ کر کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کی طرف سے قرآن لے کر آئے ہیں۔ یہ کہہ دینا شرعی تصدیق بن جاتا ہے وہ شرعی تصدیق جو ان کے نزدیک ایمان کے مرادف ہے (ہم معنی ہے) حالانکہ حق بات یہ ہے کہ قرآن وسنت کے دلائل اس مسئلے میں جہمیہ کے خلاف ہیں (موجودہ دور کے داعیانِ اسلام کو) وہی غلط فہمی ہوئی ہے جو جہمیہ مرجئہ کو ہوئی تھی۔ حالانکہ صرف اتنی سی تصدیق سے اسلام ثابت نہیں ہوتا ہم اپنے اس قول کے لیے کتاب وسنت سے دلائل پیش کریں گے پھر اس کے بعد تصدیق کا شرعی معنی واضح کریں گے۔

✿ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا [النمل:١٤]

”اور بے انصافی اور غرور سے انہوں نے انکار کیا مگر ان کے دل ان کو مان چکے تھے۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہ (اس کی تفسیر میں) کہتے ہیں: ﴿يقينهم في قلوبهم﴾ ان کا یقین ان کے دلوں میں تھا۔ [طبری ج ١٩ ص ١٤٠] یعنی تصدیق قلبی بالفعل پیدا ہو چکا تھا مگر یہ تصدیق ان کے لیے ایمان ثابت نہ کر سکا بلکہ

---

❸ بعض کتب اصول میں لکھا ہے کہ معرفت اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے یہ معتزلہ کے نزدیک شرط ہے۔ اہل سنت کے نزدیک جو معرفت شرط نہیں ہے اس سے مراد دلیلِ توحید کی معرفت حالانکہ یہ ہمارا موضوع ہی نہیں جبکہ توحید کی معرفت شرط ہے اس سے لاعلمی کا عذر قبول نہیں ہے اس سے دلیل کی معرفت مراد نہیں ہے۔ ان کا کلام ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہوگا کہ معرفت سے مراد ان کی کیا ہے؟۔ صاحب فیض الباری کہتے ہیں: ائمہ اربعہ سے مشہور بات یہ منقول ہے کہ معرفت شرط نہیں ہے بخلاف معتزلہ کے ان کے ہاں شرط ہے ان (معتزلہ) کے ہاں معرفت سے مراد ہے دلائلِ توحید ورسالت جو یقین کو واجب کرے [ج ١ ص ٥٣]۔ اہل اسنت کے نزدیک جو معرفت شرط نہیں ہے اس سے مراد دلائل توحید کی معرفت ہے جبکہ یہ موضوع بحث نہیں ہے۔ یہی بات مدارج السالکین ج ٣ ص ٤٨٦ میں تفصیل سے لکھی ہے۔

انہیں واضح زبانی تکذیب سے بھی نہ روک سکا چہ جائیکہ مکمل قلبی تصدیق دینا۔فرعون اوراس کی فوج سب یہ جانتے تھے کہ یہ آیات اللہ کی طرف سے ہیں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بیان کیا ہے:

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآئِرَ [اسراء:۱۰۲]

''موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا تم جانتے ہو کہ آسمانوں اورزمینوں کے پروردگار کے علاوہ انہیں کسی نے نازل نہیں کیا(اوروہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو۔''

یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآئَهُمْ [البقرة:١٤٦]

''جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔''

زاد المعاد میں ابن قیم رحمہ اللہ وفد نجران والی حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں: جب وہ لوگ (وفد نجران کے شرکاء)رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے نجران سے چلتے وقت توابوحارثہ ایک خچر پر بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف آنے کے لیے روانہ ہوااس کے پہلو میں اس کا بھائی کرز بن علقمہ ساتھ ساتھ چل رہا تھاابوحارثہ کا خچر بدک کراچھلنےکودنے لگاتو کرز نے کہا کہ ہلاک ہوجائے وہ دورکا آدمی،اس سے مراد(نعوذ باللہ) محمد ﷺ تھے ۔توحارثہ نے اس سے کہا کہ تو ہلاک ہوجائے اس نے کہا میرے بھائی میں کیوں ہلاک ہوجاؤں؟ابوحارثہ نے کہا:اللہ کی قسم وہ (محمد ﷺ)وہی نبی امی ہیں۔جس کا ہم انتظار کررہے تھے۔کرز نے کہا جب تم یہ جانتے ہوتوتمہیں اس کی پیروی سے کیا چیز روک رہی ہے؟اس نے کہا ہمارے ساتھ ہماری قوم نے جو(اچھا)سلوک کیا ہے(وہ رکاوٹ ہے محمد ﷺ کی اتباع میں)اس قوم نے ہمیں عزت دی ۔ہمیں حاکم بنایا۔ہمیں معزز عہدوں پرفائز کیا اب یہ قوم محمد ﷺ کی مخالفت کررہی ہے اگر میں نے اتباع کی تو یہ لوگ ہم سے یہ سب کچھ چھین لیں گے جوتم دیکھ رہے ہوکرز نے یہ ساری گفتگواپنے تک چھپائے رکھی یہاں تک کہ بعد میں یہ مسلمان ہوگیا۔ [زادالمعادلابن قیم رحمہ اللہ ج۳ ص۳۸]

اس روایت سے ابن قیم رحمہ اللہ نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اکثر اہل کتاب اورمشرکین رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے تھے یہ بھی گواہی دیتے تھے کہ محمد ﷺ (اپنے دعوائے رسالت میں) سچے ہیں مگر یہ بات انہیں

دائرہ اسلام میں داخل نہ کرسکی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اس کے علاوہ کوئی چیز ہے اسلام صرف معرفت یا اقرار کا نام نہیں ہے بلکہ معرفت، ا قرار، اس کی اطاعت کا التزام اور دین کا ظاہری و باطنی طور پر التزام کرنا اسلام ہے۔[زادالمعاد ج۳ ص ٤٢]

❁ **ہرقل قیصر روم سے متعلق!** انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو میرا یہ خط قیصر تک پہنچائے گا اس کے لیے جنت ہے۔ ایک آدمی نے کہا (اللہ کے رسول ﷺ) اگر اس نے قبول نہ کیا اور نہ مانا تو پھر بھی؟ بہرحال یہ آدمی خط لے چلا تو راستے میں اس سے آمنا سامنا ہوا جب وہ بیت المقدس جارہا تھا اس نے خط دری پر ڈال دیا اور خود ایک طرف ہوکر کھڑا ہوگیا۔ قیصر نے کہا: یہ خط کس نے یہاں ڈالا ہے؟ وہ امان میں ہے۔ تو آدمی نے جواب دیا: میں نے، قیصر نے کہا: جب میں بیت المقدس سے واپس آؤں تو تم میرے پاس آنا جب واپس آیا تو یہ آدمی خط لے کر اس کے پاس گیا تو قیصر نے اپنے محل کے دروازے بند کروائے اور پھر اعلان کروایا کہ قیصر نے محمد ﷺ کی اتباع شروع کردی ہے اور نصرانیت چھوڑ دی اس کی فوج مسلح ہوکر اس کی طرف بڑھی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندے سے کہا: تم دیکھ رہے ہو کہ مجھے اپنی حکومت ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ پھر اس نے دوبارہ اعلان کروادیا کہ قیصر تم لوگوں سے راضی ہے (وہ صرف تم لوگوں کو آزما رہا تھا) پھر قیصر نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا کہ میں مسلمان ہوں کچھ دینار بھی بھیجے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا دشمن جھوٹ بول رہا ہے وہ مسلمان نہیں ہے بلکہ نصرانیت پر ہی ہے۔[ابو حاتم، ابن حبان]

❁ **ابوسفیان اور ہرقل کے مابین رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو گفتگو ہوئی اس میں ہرقل نے کہا تھا:** جو کچھ تم کہہ رہے ہو اگر وہ سچ ہے تو پھر وہ محمد ﷺ نبی ہے میں سمجھتا تھا کہ وہ کہیں اور سے ہوگا تم میں سے نہ ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس تک پہنچ سکوں گا تو میں اس سے ملاقات کرنا پسند کرتا۔ اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا (خدمت کرتا) عنقریب میرا یہ ملک بھی اس کی ماتحتی میں ہوگا۔[صحیح بخاری باب بدء نزول الوحی]

❁ **صفوان بن عسال کہتے ہیں:** ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا ہمیں اس نبی کے پاس لے

جاؤ۔اس کے ساتھی نے کہا نبی مت کہو اس کی چار آنکھیں ہیں (یعنی اس کے ماننے والے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں کوئی سن لے گا کہ ہم نے اسے نبی کہا ہے حالانکہ ہم بظاہر اس کی نبوت کا انکار کرتے ہیں) یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اللہ کے رسول ﷺ سے نو آیات بینات کے بارے میں سوال کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک مت کرو، چوری نہ کرو، زنا مت کرو، قتل مت کرو، پاکدامن عورتوں پر بہتان مت لگاؤ، میدان جنگ سے مت بھاگو، اور تم یہودی خاص کر یوم السبت میں حد سے نہ بڑھو، ان دونوں نے آپ ﷺ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ پھر میری اتباع سے تمہیں کیا چیز روکتی ہے؟ انہوں نے کہا داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اس کی اولاد میں ہمیشہ نبوت رہے ہم ڈرتے ہیں کہ اگر ہم آپ کی اتباع کر لی تو یہود ہمیں قتل کر دیں گے ۔[نسائی ،ترمذی]

③ التزام (اقرار، اطاعت وفرمانبرداری)

یہ تیسرا اہم عنصر ہے جو ایمان کی بنیاد یا اسلام کی کم سے کم حد جو خلود فی النار سے نجات دلانے کے لیے لازمی ہے۔آدمی اللہ کو تسلیم کرتا ہے اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور شریعت کی اتباع کرتا ہے۔ان میں سے کوئی بھی چیز ردّ نہیں کرتا۔جب وہ احکام کا التزام کر لے۔امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں وہی بات کی ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس شخص کے قتل کے بارے میں کی ہے جس نے فرائض قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔اس میں ہے کہ جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہہ دیا اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہ کیا تو اس کا قتل ممنوع ہے۔لیکن کیا وہ صرف یہ کہنے سے مسلمان ہو جاتا ہے؟ اس میں راجح قول یہ ہے کہ نہیں ہوتا۔البتہ اس کے قتل سے رکنا ضروری ہے تاکہ اس کا امتحان لیا جائے اگر اس نے رسالت کا اقرار اور احکام اسلام کا التزام کیا تو اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔[نیل الاوطار شوکانی رحمہ اللہ ج۸ ص ۱۲]

معارج القبول کے مصنف کہتے ہیں: یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل سنت میں سے جس نے یہ کہا کہ ایمان نام ہے۔زبان سے ظاہری تصدیق کا تو ان کی مراد تصدیق اذعانی ہے جو ظاہری و باطنی اطاعت کو مستلزم

ہے (اذعانی تصدیق کا معنی ہے فرمانبرداری واطاعت کی تصدیق) ان کا مقصد صرف تصدیق نہیں ہے ورنہ ابلیس نے سجدہ کے بارے میں دیا جانے والا اللہ کا حکم جھٹلایا نہیں تھا اس نے کفر وتکبر کی وجہ سے اطاعت کرنے سے انکار کیا تھا۔[معارج القبول حافظ حکمی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۳]

اس نکتہ کی وضاحت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جس طرح کی ہے اس میں اب مزید گنجائش تفصیل کی نہیں ہے ۔اس کا خلاصہ ہم یہاں بیان کررہے ہیں۔ایمان اور وہ تصدیق جو صرف خبر کی طرف سچائی کی نسبت ہے کے مابین فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایمان لفظی ومعنوی لحاظ سے تصدیق سے علیحدہ چیز ہے۔پھر ان دونوں کے درمیان لفظی فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تصدیق حقائق اور اخبار محسوسہ پر منطبق ہوتی ہے یہ لفظ ایمان ان خبروں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو امور غیب سے ہوں (جب اخبار غیب کی تصدیق کی جائے تو وہ ایمان ہے)۔جب سننے والا اس خبر کا اقرار کرلیتا ہے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایمان لے آیا جبکہ لفظ تصدیق عام ہے تمام خبروں کے لیے بولا جاسکتا ہے۔اس کے بعد ان دونوں میں معنوی لحاظ سے جو فرق ہے اسے واضح کرتے ہیں۔

ایمان کا معنی؟: ایمان امن سے ماخوذ ہے جس کا معنی اطمینان ہے جس طرح کہ لفظ اقرار ''قَرَّ یَقِرُ'' سے ہے یہ بھی اَمِنَ یَأمَن کے قریب ہے جبکہ سچا آدمی اپنی خبر سے مطمئن ہوتا ہے اور جھوٹا اپنی دی ہوئی خبر سے مطمئن نہیں ہوتا ہے۔جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے''الصدق طمانیة والکذب ریبة'' سچ اطمینان اور جھوٹ بے اطمینانی (اندیشہ اور وسوسہ) ہے لہٰذا مؤمن امن میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ ''مُقِر'' اقرار کرنے والا اقرار میں داخل ہوتا ہے لفظ اقرار میں ضمناً التزام بھی ہے پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

① **خبر دینا**: اس معنی کے لحاظ سے یہ تصدیق اور گواہی وغیرہ کی طرح ہے۔جب فقہاء اپنی کتب میں کتاب الاقرار لکھتے ہیں تو اس سے مراد یہی اقرار ہوتا ہے

② **التزام پیدا کرنا**: جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَ اَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِیۡنَ [آل عمران:۸۱]

’’کیا تم نے اقرار کرلیا؟ اور اس پر میرا پختہ وعدہ لے لیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کرلیا۔ اللہ نے فرمایا تم گواہ رہو میں بھی گواہ ہوں۔‘‘

یہاں اقرار صرف خبر کے معنی میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ [آل عمران :۸۱]

’’جب اللہ نے پیغمبروں سے پختہ وعدہ لیا کہ میں تمہیں کتاب وحکمت دوں گا۔‘‘

یہ التزام اور مدد تھی رسول اللہ کے لیے اسی طرح لفظ ایمان میں خبر وانشاء (جو کام اب تک ہوا نہیں اسے انشاء کہتے ہیں کسی گزرے ہوئے کام کے بارے میں جب بتا دیا جائے تو اسے خبر کہتے ہیں) اور التزام تینوں معنی پائے جاتے ہیں جبکہ لفظ تصدیق میں یہ تینوں معنی نہیں پائے جاتے۔ اگر کسی نے کسی شخص کو ایسی خبر پہنچائی کہ جس سے سننے والے کو اطمینان نہیں ہوا تو اسے ’’آمَــنَ‘‘ نہیں کہتے البتہ اگر ایسی خبر دی کہ خبر دینے والے سے سننے والے کو اطمینان ہوا تو اسے ’’ آمَــنَ ‘‘ کہتے ہیں یعنی خبر دینے والے پر یقین کر لیا بعض دفعہ خبر دینے والا ایسا ہوتا ہے کہ اس کی خبر سننے والے کے لیے ماننا ضروری ہوتا ہے اور کبھی ماننا ضروری نہیں ہوتا البتہ اس کے صدق پر اطمینان ہو جاتا ہے۔ اگر سننے والا خبر دینے والے کی اطاعت کرے تو یہ ایمان نہیں جب تک اطاعت کے ساتھ خبر دینے والے کی تصدیق نہ کرے کبھی لفظ کفر ایمان کے مقابل بھی استعمال ہوتا ہے یعنی اطاعت سے روگردانی کر کے رک جانے کے معنی میں اس پر قیاس کر کے جس طرح لفظ اقرار صرف التزام اطاعت اور انقیاد کے لیے استعمال ہوتا ہے اس طرح لفظ ایمان بھی ہو جاتا ہے۔[مجموعہ الفتاویٰ ج ۷ ص ۵۳۰ ۔الایمان ص ۲٤۸]

صاحب فیض الباری نے اس بارے میں فرمایا ہے: اقرار میں اختلاف ہے۔ مرجئہ کہتے ہیں: کہ اقرار نہ مقصود ہے نہ ایمان کے لیے شرط ہے۔ ان کے نزدیک صرف تصدیق نجات کے لیے کافی ہے یہاں تک کہ ان کا یہ قول مشہور ہے کہ ایمان کی موجودگی میں معصیت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ان کے برخلاف کرامیہ ہیں وہ کہتے ہیں: کہ صرف زبان سے اقرار نجات کے لیے کافی ہے چاہے تصدیق ہو یا نہ ہو (صاحب فیض الباری نے کرامیہ کے مذہب کی حقیقت کو سمجھنے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مخالفت کی ہے۔ الایمان الاوسط ص ۱۸ ملاحظہ

فرمائیں) گویا یہ دونوں فرقے مرجئہ اور کرامیہ دو مخالف کناروں پر ہیں جبکہ ہم اہل سنت کے نزدیک اقرار ضروری ہے چاہے مقصود ہو یا شرط کے طور پر۔[فیض الباری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ٤٩]

پھر اس کے بعد (صاحب فیض الباری نے) اشکالات وارد کیے ہیں ان لوگوں پر جو کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور مناقض کا عدم ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اگر تصدیق قلبی پائی جائے تو توحید ثابت ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں: یہاں کچھ اشکالات ہیں جو فقہاء اور متکلمین پر وارد ہوتے ہیں وہ اشکال یہ ہیں کہ بعض کفریہ افعال تصدیق کرنے والوں میں بھی پائے جاتے ہیں جیسے بت کے آگے سجدہ کرنا یا قرآن کی توہین کرنا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ شخص کافر ہے تو ہمارا یہ قول ہمارے ہی اس قول کا نقیض ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے۔ اس لیے کہ ان افعال کے کرنے سے یہ شخص تصدیق سے خارج نہیں ہوا تو اس پر کفر کا فتویٰ کیسے لگائیں گے؟ اور اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے تو یہ قول اجماع کے خلاف ہے اس کا جواب جرجانی کی متابعت میں الکستلی نے یہ دیا ہے کہ ایسا شخص فیصلے کے لحاظ سے تو کافر ہے مگر دیانت کے لحاظ سے مسلمان ہے۔ حالانکہ یہ جواب باطل ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے ایسا شخص دیانتاً وقضاءً قطعی کافر ہے۔ اس کا صحیح جواب وہ ہے جو ابن الہمام نے دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کام ایسے ہوتے ہیں جو انکار کے قائم مقام ہوتے ہیں جیسے کفر کے مخصوص و معروف کام، تو ایمان میں ایسے کاموں سے براءت بھی لازم ہے جس طرح کہ کفر سے براءت لازم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ [التوبة:٦٥]

''بہانے مت بناؤ تم ایمان کے بعد کفر کر چکے ہو۔''

یہ اللہ نے ان کے اس قول کے جواب میں کہا تھا جب انہوں نے کہا کہ:

كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ [التوبة:٦٦]

''کہ ہم صرف باتیں کر رہے تھے اور کھیل رہے تھے۔''

اللہ نے ان کو یہ نہیں کہا کہ تم اپنے قول میں جھوٹے ہو بلکہ انہیں یہ بتلا دیا کہ ان کا یہ کھیل اور یہ باتیں کرنا دراصل کفر کی وہ مخصوص و معروف نشانیاں ہیں جن کی بنا پر تم نے اسلام کا پٹہ اپنے گلے سے اتار دیا ہے اور اسلام

کی چراگاہ سے نکل کر کفر میں داخل ہو گئے ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس طرح کے کام اگر کسی میں پائے جائیں تو اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا اس کی دلی تصدیق کا لحاظ نہیں کیا جائے گا نہ دیکھا جائے گا کہ یہ عمل اس نے مذاق میں کیا ہے یا عقیدتاً کیا ہے۔ ایسے مواقع پر ہی آپ نے ان (فقہاء) کا یہ قول سنا ہوگا کہ دین کے بدیہی امور میں تاویل مقبول نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بدیہی امور میں تاویل انکار کا سبب بن جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسی تصدیق کہ اس کے ساتھ کفریہ اعمال بھی کیے جاتے رہیں شریعت میں ایسی تصدیق کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جس نے ایسے اعمال کا ارتکاب کیا اس نے اپنی تصدیق کھودی۔ جصاص نے بھی اس کی بہترین وضاحت کی ہے۔ ❶

پھر یہ علامہ اس مراد کا ذکر کرتے ہیں جس پر ایمان کی بنیاد ہے فرماتے ہیں: جب آپ نے یہ جان لیا کہ تصدیق معرفت اور یقین میں سے ہر ایک انکار کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے تو پھر ضروری ہے کہ ایسی تفسیر کی جائے جس سے کفر و ایمان میں تمیز ہو سکے۔ پھر اس کے بعد علامہ صاحب نے ابوسفیان و ہرقل وغیرہ کی احادیث ذکر کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تصدیق ایمان کے علاوہ کوئی اور چیز ہے بلکہ اس کے مخالف ہے پھر اس کے بعد علامہ کشمیری فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ وہ جزء جس کے ذریعے سے ایمان و کفر میں تمیز ہوتی ہے وہ اطاعت کا التزام اور اس کے علاوہ دیگر ادیان سے براءت جب اطاعت کا التزام کر لیا تو کفر کی گمراہی سے نکل آیا اور اسلام کی ہدایت و رہنمائی میں داخل ہو گیا۔ [فیض الباری ج ۱ ص ۵۰-۵۱]

پھر اس کے بعد بیان کرتے ہیں کہ: فقہاء کی اصطلاح میں اقرار التزام اطاعت کے معنی میں ہی لینا چاہیے صرف شہادتین کا زبانی تلفظ مراد نہیں۔ ورنہ سابقہ اشکال وارد ہوگا۔ کہتے ہیں کہ: فقہاء کی اصطلاح میں جس

---

❶ فیض الباری للامام کشمیری ج ا ص ۵۰ انور شاہ کشمیری احناف کے ائمہ میں سے ہیں جن کو اہل السنۃ کے مرجئہ کہا جاتا ہے۔ اگر چہ انہوں نے اس بات پر اعتراض کیا ہے جیسا کہ اپنی اسی کتاب کے ص ۵۴ پر ہے اس کے باوجود کے انہیں مرجئہ کہا گیا ہے کس طرح اقرار کو شرط یا شطر قرار دیتے ہیں اور کس طرح کفریہ اعمال کے ساتھ جو تصدیق ہوتی ہے اسے غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔ ان افعال کے مرتکب کو تصدیق کے باوجود کافر قرار دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو کفریہ اعمال کے ساتھ تصدیق کو شرعاً معتبر مانتے ہیں؟ اور ایسی تصدیق کے حامل کے لیے آخرت میں جہنم سے حفاظت کی ضمانت مانتے ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کو غلو کرنے والے مرجئہ میں شمار کرنا بہتر نہیں ہے؟ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس رائے کو اہل سنت کی قرار دیتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

اقرار کا ذکر ہے اس سے مراد التزام اطاعت لینا چاہیے اگر صرف شہادتین کا زبانی اقرار مراد لیا جائے جیسا کہ مشہور ہے تو پھر اس پر اشکال باقی رہے گا۔[فیض الباری ج ۱ ص ۵۱]

ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے شہادتین کا اقرار کرلیا اس پر مسلمان کا حکم لگایا جائے گا جب اس طرح اسلام میں داخل ہوجائے گا تو اس پر لازم ہوگا کہ اسلام کی بقیہ خصلتیں بھی اپنے اندر پیدا کرے ان کا بھی اہتمام کرے۔[جامع العلوم والحکم لابن رجب رحمہ اللہ ص ۲۳]

اس عبارت میں لفظ حکماً سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسا شخص حقیقی مسلمان نہیں ہوتا البتہ شہادتین کے اقرار سے حکماً مسلمان بن جاتا ہے یہ مسلمانی بھی اس وقت تک رہتی ہے جب تک اس کے منافی عمل نہ کرلے اور یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ احکام شریعت کا پابند ہے۔ جو التزام شریعت میں مقصود ہے اس کی دو قسمیں بنتی ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جو اسلام میں داخل رہنے کے لیے ضروری ہے دوسرا التزام ہے احکام کی بجا آوری۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

① **قبول اسلام کا التزام:** (یعنی شرائع کو مکمل طور پر قبول کرنا اور عملاً انہیں اپنانا) اتنی مقدار کا التزام اپنے حامل کو خلود فی النار سے نجات دے دیتا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ شرکیہ اعمال کو ترک کردیا جائے۔ جبکہ اسلام میں خود کو باقی رکھنے یعنی مسلسل مسلمان رہنے کے لیے (جب شرائع سارے پہنچ جائیں) ضروری ہے کہ وہ تمام امور بجالائے جو اعضاء سے کیے جاتے ہیں اور صحتِ اسلام کے لیے شرط ہیں۔ اور ان اعمال کو بھی بجالاتا رہے جو توحید کو ثابت کرنے والے ہوں تاکہ اس شخص کی توحید بھی ثابت ہوجائے۔

② **شرائع کی تنفیذ کا التزام:** اس سے مراد ہے تمام اوامر شرعیہ کا نفاذ اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اطاعت کے تمام کام بجالائے اور معصیت کے امور سے اجتناب کرے۔ یہ وہ کام ہیں جو ایمان واجب میں داخل ہیں اور استکمال ایمان کا سبب ہیں۔ ہم نے پہلے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا تقاضا یہی ہے جو ہم نے ان سطور میں لکھ دیا۔ اس طرح التزام کے معانی کے فرق کو بیان کرنے سے اہل سنت اور مرجئہ وخوارج ❶ کے درمیان فرق بھی

---

❶ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'الایمان' میں مرجئہ کی ایک اور چھٹا فرقہ بھی ذکر کیا ہے جو کہتا ہے کہ ایمان نام ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معرفت اور جن فرائض پر اجماع ہے ان کی معرفت اور ان کی بجا آوری کا اس کے ساتھ ساتھ زبان سے اقرار بھی ہے ⇦

واضح ہو جائے گا۔

ایمان کے اس مفہوم میں اس قدر ایمان کہ جو خلود فی النار سے نجات دیتا ہو اور مرجئہ کے ہاں معتبر ایمان (ان سب میں جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے) وہ ہے کہ اس ایمان سے مراد شاید صرف دلی تصدیق ہے لوگوں کو ''اعتقاد'' میں یہ غلط فہمی ہوئی ہے انہوں نے اعتقاد کو اصل ایمان کے مرادف مانا ہے (ان کے خیال میں جس کا اعتقاد صحیح ہے وہ خلود فی النار سے نجات حاصل کرلے گا۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ اعتقاد سے مراد ہے ''دل کا کسی بات پر کسی معنی پر پختگی اختیار کرنا'' اس طرح اس سے تمام اعمال خارج ہو جاتے ہیں البتہ تروک اعمال داخل ہوتے ہیں سے مراد ہے وہ اعمال جن کا ترک لازم ہے یعنی شرکیہ اعمال جیسے بت کے آگے سجدہ کرنا۔ غیر اللہ کو پکارنا یا وہ اعمال جو کرنے کے ہیں اور صحتِ اسلام کے لیے شرط ہیں (اعتقاد) صرف قلبی قول و عمل کا نام ہو جاتا ہے جبکہ ہمارے بیان کردہ سابقہ تفصیلات کے مطابق خلود فی النار سے نجات دینے والا اعتقاد یہ ہے کہ دل ربوبیت والوہیت سے متعلق کچھ خاص معانی پر پختگی اختیار کرے اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر، اس رسالت کے ضمن میں اوامر ونواہی (اگر اوامر ونواہی تفصیل سے پہنچ چکے ہوں) کے مخصوص معانی کو پہچاننا اس کے ساتھ تصدیق اور قلبی اقرار یا التزام ہو یہ ہے دل کے قول و عمل کا مطلب (جبکہ اعتقاد کے لحاظ سے کفر یہ ہے کہ دل کا قول یعنی تصدیق ختم ہو اور آدمی کفر تکذیب میں مبتلا ہو یعنی وہ تکذیب کرے جو کافر بنا دینے والا

⇦ [مجموع الفتاویٰ ج ۷ ص ۵۴۵] ان لوگوں کے قول کے قریب قریب وہ قول بھی ہے جو مرجئہ کے دسویں فرقہ سے منقول ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کا خیال اور رائے ہے کہ ایمان نام ہے کبائر میں سے بڑے گناہ کا یا چند صفات کا نام ہے جب انہیں ترک کردیا جائے یا ان میں سے کوئی ایک خصلت چھوڑ دی جائے تو آدمی کافر ہو جاتا ہے وہ خصلت جس کے ترک سے آدمی کافر ہوتا ہے وہی ایمان ہے۔ کسی بھی اطاعت کے کام کو اگر کوئی شخص ترک کردے تو اس کی تکفیر پر مسلمانوں کا اجماع نہیں ہے اسلام کے فرض وشرائع میں سے کسی فرائض کو چھوڑنا فسق کہلاتا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فسق کر رہا ہے اسے کافر نہیں کہا جاتا نہ ہی کبائر ایمان سے خارج کرتے ہیں جب تک کہ وہ کفر کے درجہ کو نہ پہنچ جائیں۔ نماز، روزہ، حج جیسے فرائض کے انکار کی وجہ سے یا اس کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ان کو ترک کرنا کفر ہے۔ یہ انکار، اہمیت نہ دینے اور رد کرنے کی وجہ سے کفر ہے اور اگر ترک کو جائز اور حلال نہ سمجھا مگر کسی مصروفیت وغیرہ کی وجہ سے انہیں ترک کیا تو کافر نہیں ہے۔ اگر کسی دن میں یا کسی وقت میں کبھی نماز پڑھتا ہے (کبھی چھوڑتا ہے) تو اسے فاسق کہا جائے گا (ج ۷: ۶۴۷) آج اور کل میں کتنی مناسبت ہے؟ ان لوگوں کا قول کسی قدر ان سے پہلے والوں کے ساتھ مشابہ ہے کہ جو شخص کافر بنا دینے والا عمل کرے تو ہم اسے کہیں گے کہ یہ کفر کر رہا ہے۔ مگر اسے کافر نہیں کہیں گے۔

ہے یا دل کا عمل ساقط ہو یعنی انقیاد، التزام، محبت ختم ہو جیسا کہ اللہ نے کچھ لوگوں کو فرمایا تھا: ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾......[التوبة:٦٥] جہمیہ مرجئہ کفر صرف قولِ قلب کے سقوط کو کہتے ہیں۔

''عمل'': اس سے مراد ہے کہ شرک اکبر کے تمام اعمال کو ترک کرنا مثلاً بت کے آگے سجدہ کرنا۔ غیر اللہ کو پکارنا۔ صحتِ اسلام کے لیے مشروط اعمال نہ کرنا (جس کو شرائع پہنچ چکی ہوں) اس لیے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اتنا عمل ضرور کرنا ہوگا جو صحتِ اسلام کے لیے شرط ہے۔ یہ لوگ بغیر کسی دلیل کے یہ بات کرتے ہیں کہ مسلمان جو بھی کوئی عمل کرلے جب تک اس کا اعتقاد صحیح ہے اسے کافر نہیں کہا جائے گا پھر یہ بات انہوں نے ہر عمل میں جاری رکھی انہوں نے اعمالِ کفریہ اور اعمالِ معاصی میں فرق نہیں رکھا انہوں نے اعتقاد کی خرابی کو شرط قرار دیا ہے کفر کے لیے چاہے کوئی بھی عمل کرے (یعنی کوئی بھی عمل کرے کافر تب ہوگا جب عقیدہ خراب ہوگا) اس مسئلے کی مزید تفصیل کی ضرورت ہے۔

لہٰذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ عام معصیت کے اعمال اور کافر بنا دینے والے اعمال میں فرق واضح کردیں اس لیے کہ صریح کفریہ عمل کا ارتکاب ملت سے خارج کرنے کا سبب ہوتا ہے اور یہ عمل عقیدے کی خرابی پر خود بخود دلالت کرتا ہے (ورنہ اتنا صریح کفریہ کام کیوں کرتا؟) چاہے عقیدے کی اس خرابی کا اظہار کرے یا نہ کرے یہ شریعت کے اس تقاضے کے مطابق ہے جس میں ظاہر و باطن میں تلازم ضروری ہے ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس نے کفریہ قول یا عمل کیا تو اسے کافر قرار دیا جائے گا اگرچہ اس نے کافر بننے کا قصد نہ کیا ہو اس لیے کہ کفر کا قصد کوئی کوئی کرتا ہے۔[الصارم المسلول ص۱۷۸]

اس کے بعد وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں اللہ کا فرمان ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [النحل:١٠٦]

''جس نے ایمان کے بعد کفر کیا اِلَّا یہ کہ اسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (اس کو چھوڑ کر باقی) جس نے شرح صدر کے ساتھ (کفر کیا) تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہاں کفر سے مراد صرف اعتقادِ قلب نہیں ہے اس لیے کہ اعتقاد قلب پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا جبکہ آیت میں اکراہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے یہ مراد نہیں ہے کہ اس نے ایسا کہا اور یہ عقیدہ رکھا آیت میں مجبور کیے گئے شخص کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جبکہ قصد اور قول پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ صرف قول پر مجبور کیا جا سکتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ جس نے کلمہ کفر ادا کیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور عذاب عظیم ہے وہ اس قول کی وجہ سے کافر ہے سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ اگر ان مجبوروں میں سے کسی نے شرح صدر کے ساتھ کفر کیا تو وہ بھی کافر ہے معلوم ہوا کہ مجبوری کے علاوہ جس نے کلمہ کفر ادا کیا وہ کافر ہو گیا اور اگر کلمۂ کفر پر کسی کو مجبور کیا گیا ہو جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا تو (وہ کافر نہیں) استہزاء کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ [التوبة:٦٥]

بہانے مت بناؤ تم ایمان کے بعد کفر کر چکے ہو۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ یہ لوگ قول کی وجہ سے کافر قرار پائے باوجودیکہ وہ اسے صحیح نہیں سمجھ رہے تھے۔ [الصارم المسلول ص ٥٢٤] پھر فرماتے ہیں: اگرچہ کہا جاتا ہے ایمان تصدیق قلب کا نام ہے مگر دل حق کی تصدیق کرتا ہے اور قول قول کی تصدیق کرتا ہے اور عمل قول کی تصدیق کرتا ہے جبکہ قولی تکذیب دلی تکذیب کو مستلزم ہے۔ ❶ قولی تکذیب قلبی تکذیب کو مستلزم ہے اور اس تصدیق کو ختم کر دیتا ہے جو دل میں تھی اس لیے کہ اعضاء کے اعمال دل میں اثر کرنے والے ہیں جس طرح کہ دل کے اعمال اعضاء کے اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس نے ایسا کفر کیا ہے کہ اس کا حکم دیگر (اعضاء) تک بھی اثر کرتا ہے۔ [الصارم المسلول، ابن تیمیہ ص: ٥٢٤]

ان تفصیلات کا خلاصہ ہم اس طرح پیش کر سکتے ہیں کہ اگر ایک شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ میرا عقیدہ صحیح ہے مگر وہ

---

❶ یہاں قولی تکذیب سے مراد ہے وہ قول جو تکذیب پر دلالت کرتا ہو صراحتاً قول سے تکذیب کا اظہار مراد نہیں ہے۔ تکذیب بالقول قولی تکذیب کو مستلزم نہیں ہے یعنی ضروری نہیں کہ قول سے صراحتاً تکذیب کیا جائے مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں رسول کو جھٹلاتا ہوں تو اس کا ایک اور نوع کا کفر ہے اس بات پر دلیل استہزاء کرنے والوں کا یہ قول ہے کہ: كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ۔ کہ ہم صرف خوش گپیاں کر رہے تھے۔ حالانکہ ان کے قول میں کہیں بھی صراحتاً تکذیب نہیں تھا بلکہ ان کا کفر یہ تھا کہ ان کے دل سے نبی ﷺ کی محبت۔ آپ ﷺ کا احترام اور التزام اطاعت ختم ہو گیا تھا۔

کفرِ اکبر کے اعمال کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کو کسی بھی صورت میں مسلمان نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ کافر ہوگا اگر چہ وہ خود کو صحیح العقیدہ سمجھتا ہو اس لیے کہ اس کا قلبی اعتقاد ساقط ہو گیا ہے جبھی تو وہ صحیح عقیدے کے منافی امور کا ارتکاب کرتا ہے اگر چہ وہ اس کا صراحتاً اقرار نہیں کرتا۔ ❶

جو لوگ کہتے ہیں کہ عقیدہ صحیح ہونے کی وجہ سے اسے مسلمان سمجھا جائے گا تو یہ سمجھنے والا مرجئہ میں سے ہے جو ایمان صرف دل کے اعتقاد کو کہتے ہیں اس میں عمل شامل نہیں کرتے۔ جہاں تک دیگر معاصی کے امور کا تعلق ہے تو ان کے مرتکب کو صرف اس وقت کافر کہا جائے گا جب وہ معصیت کو حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرے گا۔ یہاں فقہاء کے اقوال اس بارے میں نقل کیے جاتے ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہوگا کہ کفریہ اعمال کے علاوہ بقیہ معاصی کے مرتکب کو صرف اس صورت میں کافر کہا جائے گا جب وہ اس معصیت کو حلال و جائز سمجھے گا۔ اگر وہ معصیت کے اس کام کو حرام سمجھتا ہے مگر خواہشات سے مجبور ہو کر ان کا ارتکاب کرتا ہے تو مسلمان ہوگا البتہ خوارج نے مترکب معصیت کو کفر کا سبب بنایا ہے صراحتاً تکذیب کو اعتقاد کے فساد کی دلیل بنایا ہے ان کے ہاں کوئی بھی عمل بذاتہ کافر نہیں بناتا بلکہ اس کے ارتکاب کو سقوط قلبی پر دلالت کرنے والا شمار کرکے۔

خوارج: خوارج نے تمام معاصی کے امور کو سقوط اعتقاد قلبی کی دلیل بنایا ہے لہٰذا ہر معاصی کے مرتکب کو انہوں نے کافر قرار دیا ہے۔ یہ مرجئہ کے بالکل الٹ و برعکس ہیں۔

اہل السنّت والجماعت: اہل سنت نے اعمال معصیت اور اعمال کفریہ میں فرق کیا ہے انہوں نے (کافر قرار دینے کے لیے) شرط لگائی ہے کہ یا تو اعتقاد خراب ہو گیا ہو یا معصیت کو حلال سمجھ کر کیا ہو تو کافر ہوگا انہوں نے کفریہ عمل کرنے والے کو کافر کہا ہے اس لیے کہ یہ قلبی اعتقاد کے سقوط پر دلالت کرتا ہے۔ یہ فرق سلف کے اس قول کی وضاحت کرتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی عمل معصیت اگر معصیت سمجھ کر کیا جائے تو کفر نہیں جب تک اسے حرام سمجھتا رہے۔ اور اگر اس کا ارتکاب (اس کی حرمت سے) انکار کرکے کیا ہو تو کافر ہوگا۔ یہ ان اعمال کے بارے میں ہے جو بظاہر معصیت ہی ہیں جیسے زنا وغیرہ۔ اس مقام پر بعض لوگوں

---

❶ جیسا کہ ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ اس کا کفر یا تو دلی تصدیق کے ساقط ہونے کی وجہ سے ہے تو یہ شخص کفر تکذیب کی وجہ سے کافر ہے یا عمل کے التزام اور اطاعت نہ ہونے کی وجہ سے دل کا عمل ساقط ہوا ہے اس وجہ سے کافر ہے۔

کو مرجئہ جیسی غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے انہوں نے انکار کو تکذیب قرار دیا ہے اس طرح یہ بات ان کے دیگر اقوال کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے جو وہ ایمان تصدیق اور اقرار کے معانی کے بارے میں کرتے ہیں جبکہ صرف انکار بمعنی تکذیب ملت سے خارج کرنے والا نہیں ہے بلکہ ایسی بات کی تکذیب جس کی تصدیق واجب ہو اس کی تکذیب یا اس بات کا کرنا جس کا نہ کرنا واجب ہو یا ایسا عمل کرنا جس کے کرنے سے کفر لازم آتا ہو کافر خارج عن الملۃ بناتے ہیں جیسا کہ ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایسی چیز کا انکار کفر ہے جس کے بغیر ایمان نہیں ہوتا ۔اور ہر اس بات کا زبان سے ادا کرنا کفر ہے جس کا کفر ثابت ہو چکا ہو۔اور جس عمل کا کفر ثابت ہو چکا ہو اس کا ارتکاب کفر ہے۔ [الملل والنحل لابن حزم رحمہ اللہ ج۳ ص ۲۱۳]

مزید فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَ اَمْلٰى لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ

[محمد: ۲۸،۲۵]

”جو لوگ راہِ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ کے بل پھر گئے شیطان نے (یہ کام) ان کو مزین کر کے دکھایا اور انہیں طولِ (عمر کا وعدہ) دیا یہ اس لئے کہ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی (کتاب) سے بیزار ہیں یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم تمہاری بات بھی مانیں گے اور اللہ ان کے پوشیدہ رازوں سے واقف ہے ۔تو اس وقت (ان کا) کیسا (حال) ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے یہ اس لئے کہ جس چیز سے اللہ ناخوش ہے یہ اس کے پیچھے چلے اور اسکی خوشنودی کو اچھا نہ سمجھا تو اس نے بھی ان کے اعمال کو برباد کر دیا۔“

اللہ نے انہیں حق کا علم ہونے کے بعد مرتد کافر قرار دیا۔اللہ نے اس آیت میں ہمیں یہ بھی بتلا دیا کہ وہ ان کے

پوشیدہ خیالات سے واقف ہے اللہ نے یہ نہیں بتلایا کہ ان کے باطن میں تصدیق یا انکار ہے البتہ صحیح یہ ہے کہ ان کے باطن میں تصدیق ہی تھی اس لیے کہ ہدایت ان کے سامنے ظاہر ہوگئی تھی اور جس کے سامنے کوئی چیز ظاہر اور واضح ہو جائے تو پھر اس کے لیے اس چیز سے قلبی انکار ممکن نہیں ہوتا۔ اللہ نے اس آیت میں یہ بھی بتلایا ہے کہ جب ان لوگوں نے اللہ کی ناپسندیدہ چیز کی پیروی کی تو اس پیروی اور اللہ کی رضا مندی والے کام ترک کرنے کی وجہ سے ان کے اعمال برباد کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ [الحجرات:٢]

''ایمان والو! اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز سے اونچی مت کرو اور نہ ہی ان کے سامنے اونچی آواز سے بات کرو جیسا آپس میں کرتے ہو ورنہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں احساس بھی نہ ہوگا۔''

یہ واضح دلیل اس بات کی کہ مؤمنوں سے خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ ان کے اعمال رسول اللہ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنے سے برباد ہو جائیں گے حالانکہ ان کے دلوں میں (اسلام یا نبی ﷺ سے) انکار نہیں ہوگا اگر ان کے دلوں میں انکار ہوتا تو ان کو اپنے اعمال کے ضائع و برباد ہونے کا شعور بھی ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ ہمیں بتلا رہا ہے کہ ان کے اعمال برباد ہو جائیں گے اور انہیں شعور و احساس تک نہ ہوگا اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کہ بعض جسمانی اعمال ایسے ہوتے ہیں جو ایمان کو باطل کر دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کفر نہیں ہوتے مگر جو کچھ اللہ نے بتلا دیا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ [الملل والنحل لابن حزم رحمہ اللہ ج ٤ ص ٢٢٠]

جحود لغت میں جاننے کے بعد انکار کرنے کو کہتے ہیں۔ [مختار الصحاح ص ١٠٨] یہ معنی جحود کے ایک اور معنی کو متضمن ہے یعنی علم ہو جانے کے بعد کسی چیز کی حقیقت کو بدلنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿نكروا لها عرشها﴾ قرطبی رحمہ اللہ نے اس کا معنی کیا ہے اس کا تخت تبدیل کر دو۔ تنکیر کہتے ہیں کسی چیز کو جاننے سمجھنے کے بعد تبدیل کر دینا اس طرح جحود کے شرعی معنی قرآن کے لحاظ سے دو ہو گئے۔

① **تکذیب:** جو کہ اعتقاد قلبی کے مقابل استعمال ہوتا ہے یہی وہ جحود ہے جو فرعون اور اس کے سرداروں

نے کیا تھا جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا [النمل:١٤]

''انہوں نے اس کا انکار کیا حالانکہ ان کے دلوں نے اس کا یقین کر لیا تھا (مگر یہ انکار) ظلم وسرکشی کی بنا پر تھا۔''

یہ معنی عملی تبدیلی پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ان فرعونیوں نے اس چیز کو بدل دیا تھا جو ان کے سامنے یقینی طور پر ثابت ہوگئی تھی ان کے دلوں نے جس کا یقین کر لیا تھا مگر اپنی زبان سے اسے بدل دیا اس کا انکار کر دیا۔

② **صراحتاً تبدیل کرنا:** یہ ایک کفریہ عمل کا ارتکاب ہے کہ اس چیز کو بدل دیا جائے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اس کی تصدیق بھی کر لی جائے یہی وہ عمل تھا جس کی بنا پر اللہ نے یہود کو کافر قرار دیا جیسا کہ سورہ مائدہ میں ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ [المائدة:٤٤]

''جس نے اللہ کے نازل کردہ (قانون) کے مطابق فیصلہ وحکومت نہیں کی وہ کافر ہے۔''

اس آیت کے سبب نزول سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہود نے توراۃ میں موجود حکم کو حذف نہیں کیا تھا بلکہ اسے تبدیل کر دیا تھا ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ اللہ کی طرف سے اس کے بدلے میں کوئی اور نیا دین آ گیا ہے۔ انہوں نے حکم اصلی کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں تبدیلی کی تھی یہ کام انہوں نے خود پر سختی کی وجہ سے کیا تھا اپنے فسق کی وجہ سے وہ اصلی حکم کو نافذ نہیں کر سکتے تھے۔

وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ [المائدة:٤٣]

''وہ آپ (ﷺ) کو کیسے حکم بنائیں گے جبکہ ان کے پاس توراۃ ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان کے پاس وہ توراۃ ہے جو میں نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھی اور اس میں جو بھی احکام ہیں وہ سب میرے ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں آپس میں وہ اس بات سے انکار نہیں کرتے وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس توراۃ میں زانی کے بارے میں میرا حکم سنگسار کرنے کا ہے۔ اس کے باوجود وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں جسارت ونافرمانی کی وجہ سے وہ میرے ان احکام کو چھوڑ دیتے ہیں اس سے

اعراض کرتے ہیں۔[طبری ج٦ ص ٢٤٧]

صحیح بات یہ ہے کہ یہ بات کہیں مذکور نہیں ہے کہ یہود ونصاریٰ نے احکام میں تبدیلی اس لیے کی تھی کہ وہ اپنے احبار ورہبان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان پر وحی آتی ہے اور وہ تبدیلی کرتے ہیں وہ اللہ کے ارادے سے ہوتی ہے یہ ایک الگ بات ہے اور کسی حکم کی حقانیت کے اقرار کے باوجود اس میں تبدیلی کرنا ایک اور طرح کا کفر ہے۔اس کی تائید طبری رحمہ اللہ کی سدی سے بیان کردہ روایت سے بھی ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ: بنی اسرائیل پر اللہ نے حکم نازل کیا تھا کہ تم میں سے جب کوئی زنا کرے تو اسے رجم کردو۔وہ اس حکم پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ ان میں سے ایک معزز آدمی نے زنا کرلیا جب بنی اسرائیل اس کو سنگسار کرنے کے لیے جمع ہوگئے تو ان کے معززین کھڑے ہوگئے اور انہیں سنگسار کرنے سے روک دیا۔پھر ایک غریب آدمی نے زنا کرلیا تو لوگ اسے رجم کرنے کے لیے جمع ہوگئے تو غریب لوگ بھی جمع ہوگئے اور مطالبہ کیا کہ اسے رجم مت کرو، پہلے اپنے اس مالدار زانی کو بھی لاکر اس کے ساتھ سنگسار کرو بنی اسرائیل نے کہا یہ مسئلہ ہمارے لیے مشکل ہوگیا ہے انہوں نے رجم کو چھوڑ دیا اور اس کی جگہ چالیس کوڑے مارنے کا حکم جاری کردیا۔[طبری ج٦ ص ٢٣٥]

وہ حکم الٰہی کہاں ہے؟ جس کے بارے میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے یہود نے توراۃ کا زنا کے بارے میں حکم تبدیل کردیا تھا یہ واضح بات ہے کہ ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ حکم اللہ کی طرف سے تبدیل ہوا ہے۔ بلکہ یہ کفر کی ایک اور صورت تھی۔اللہ نے اپنے بندوں کو اس بارے میں بتلایا ہے کہ جس نے شریعت کو بدل دیا وہ عملاً اللہ کا انکار کرنے والا (کافر) شمار ہوگا اور وہ لوگ بھی جو یہود کی طرح اس نئی شریعت کو اپنائیں گے اور اللہ کے نازل کردہ شریعت سے روگردانی کریں گے۔ جہاں تک اللہ کے اس حکم کا تعلق ہے کہ۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ[البقرۃ:٧٩]

”ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔“

تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک ہی طریقہ یا صورت تھی بلکہ اس کی یہ بھی صورت ہوسکتی ہے کہ کتاب اللہ میں اس کا ایک حکم ختم کرکے اس کی جگہ دوسرا حکم لکھ دیا جائے اور اسے اللہ کی طرف منسوب کردیا جائے یہ بھی

ہوسکتا ہے کہ ایک کتاب اپنی طرف سے لکھ دی جائے اور اسے کتاب اللہ کی تفسیر قرار دیا جائے اس سے یہ ثابت کیا جائے کہ فلاں حکم اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ کتاب اس نے اپنی خواہش سے لکھی ہے اسی لیے صاحب منار نے سیوطی رحمہ اللہ پر ردّ کیا ہے جو کہ سیوطی رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ اس کا مطلب ہے کہ ایک حکم کو ہٹا کر اس کی جگہ کوئی دوسرا حکم لکھنا مراد ہے۔ صاحب المنار نے کہا کہ اس آیت میں دراصل وعید ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے لوگوں کے لیے کتاب اللہ کو خلط ملط کر دیا ہے اور وہ اس طرح کہ اپنی کتابیں لکھیں اور لوگوں کو یہ باور کرایا کہ اس میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی کتاب سے ماخوذ ہے۔[المنارج ١ ص ٣٦٠]

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ وہ کتاب اللہ میں موجود احکام کے علاوہ اپنی طرف سے احکام بناتے تھے جیسا کہ آیت رجم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کی آیات کو بدل دیتے تھے۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات سے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان بنائے ہوئے احکام کو توراۃ میں نہیں لکھتے تھے اس کی دلیل سورۂ مائدہ کا وہ شان نزول ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس توراۃ لائے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھ کر یہ ثابت کریں کہ ان کی کتاب میں رجم کا حکم نہیں ہے تو ان میں سے ایک نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ کر اسے چھپائے رکھا۔ بخاری میں یہ واقعہ موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے پوچھا کہ تم زانی کو کیا سزا دیتے ہو ؟ انہوں نے کہا ہم اس کا منہ کالا کرتے ہیں اس کو رسوا کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توراۃ لاکر پڑھو، اگر تم سچے ہو؟ وہ توراۃ لے کر آئے اور ایک آدمی جو انہیں پسند تھا اس کو کہا پڑھ اس نے پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچ کر اس نے اپنا ہاتھ رکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھ ہٹاؤ اس نے ہاتھ ہٹایا تو وہاں رجم کی آیت لکھی ہوئی تھی اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آیت رجم ہے مگر ہم نے اسے چھپائے رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو ان زانیوں کو سنگسار کیا گیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا کوئی مقدمہ لے کر آئے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروایا ہوا فیصلہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے رخصت بن جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے احکام اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے۔ طبری میں ہے کہ وہ آپس میں کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کرو شاید وہ تمہارے لئے رخصت کا سبب بن جائے۔ [طبری ج٦ ص ٢٤٢]

ہم نے جو تحریر کیا اس بارے میں وہ کافی وشافی ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جس کا دل (بیدار) ہو یا وہ کان لگا کر

سُنے اور (قلب ودماغ کے لحاظ سے) وہ حاضر ہو۔(ق:۳۷)

اصرار اور ردّ

لغت میں اصرار کہتے ہیں کسی بات پر قائم رہنا اور مداوت کرنا۔[مختار الصحاح ص:۳۸٤]

دلی طور پر کسی کام پر جم جانا اور اس سے نہ ہٹنا۔[قرطبی ج٤ ص ۲۱۱]

شرع میں اصرار کہتے ہیں معصیت اور گناہ کے کام پر قائم رہنا باوجود یہ جاننے کے کہ یہ کام معصیت کا ہے۔اور استغفار و توبہ نہ کرنا۔[قرطبی ج٤ ص ۲۱۱]

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اصرار کا معنی ہے گناہ پر قائم رہنا۔[قرطبی ج٤ ص۹۸]

جیسا کہ دو لغوی تعریفوں سے واضح ہوا کہ اصرار کے دو، رخ ہیں ایک ظاہری رخ ایک باطنی رخ۔ پھر ظاہری لحاظ سے یہ دلالت کرتے ہیں تکرار عمل گناہ اور اس پر مداومت پر۔

① پھر گناہ پر مداومت بعض دفعہ اس طرح ہوتا ہے کہ اس گناہ کو دل سے حلال سمجھا جائے اور شریعت کا جو حکم اس بارے میں ہوا سے ردّ کر دیا جائے اور دل میں پکا ارادہ ہو اس عمل کے ترک نہ کرنے کا اس طرح کا اصرار کرنے والا کافر ہوگا۔ یہ خوارج کا قول ہے۔ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: خوارج کہتے ہیں: کہ جس نے تھوڑا سا بھی جھوٹ بول دیا یا چھوٹا سا عمل (گناہ) کر لیا اور اس پر اصرار کر لیا تو وہ کافر مشرک ہے اور یہی بات گناہ کبیرہ کے بارے میں بھی ہے۔ [الملل والنحل ج٤ ص ۱۹۰]

اس حال میں تکرار فعل دل کے باطنی عمل کے بغیر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ دل نے اسے حلال سمجھا ہے۔نافرمانی کی تکرار اور مداومت کو خوارج نے استحلال پر دلیل بنایا ہے (یعنی اگر کوئی شخص کسی معصیت پر مداومت کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل نے اس عمل کو حلال سمجھا ہے)۔

② کسی فعل معصیت پر مداومت اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اس شخص کی قوتِ خواہشِ گناہ بہت زیادہ بڑھ گئی ہے جو اسے گناہ کی طرف دھکیل رہی ہے۔اگر چہ اس کے دل کو اس گناہ نے نہیں چھوا ہے (یعنی دل سے اس گناہ کو حلال نہیں سمجھا) مگر اس کے کرنے والے کے برے انجام کا اندیشہ ہے کہ اس گناہ کا عکس شریعت کو ردّ

کرنے کی وجہ سے اس کے دل پر کسی بھی وقت پڑسکتا ہے۔ جمہور کا یہی مسلک ہے کہ گناہ پر اصرار کرنے والا کافرنہیں ہے کہ توبہ اور استغفار کے بغیر کسی گناہ کو مسلسل کرتے چلے جانا کفر کا سبب نہیں، نہ ہی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اس عمل کو دل سے حلال جانا ہے۔ یہ تو ظاہری حکم ہے۔ جبکہ باطنی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ معصیت پر دل کا قائم رہنا اور اس گناہ کو تسلسل سے کرتے جانا اپنے کرنے والے کو کافر بنا دیتا ہے اگر چہ گناہ پر مداومت اس پر دلالت نہیں کرتا اس مسئلے میں صحیح مسلک وہ ہے جو جمہور سلف اور ائمہ نے اپنایا ہے۔ یہ بات اچھی طرح واضح اور معلوم ہے کہ جو خواہش انسان کو معصیت کی طرف دھکیلتی ہے یا اوامر کی پیروی سے روکتی ہے جب وہ خواہش دل میں جاگزیں رہتی ہے تو دل کو اللہ کی اطاعت و استغفار سے دور کرتی ہے اگر چہ انسان اطاعت کرنا چاہتا ہے اور معصیت سے بچنا چاہتا ہے (مگر دل کی خواہش کی وجہ سے) گناہ میں منہمک رہتا ہے اور توبہ و استغفار کی نوبت نہیں آتی اگر چہ دل میں اطاعت سے روگردانی کا پختہ ارادہ نہیں رکھتا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس طرح نافرمان کا فرق واضح ہو جاتا ہے کہ وہ فعل کے وجوب کا اعتقاد رکھتا ہے اور فعل کرنا بھی چاہتا ہے مگر خواہشات اسے عمل کرنے سے روکتی ہیں اور اطاعت سے دور کر دیتی ہیں

۔[الصارم المسلول: ص ۵۲۲]

ظاہری طور پر اس شخص کی ذات تک اگر دیکھا جائے تو معاصی پر اصرار اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کے دل میں موجود عقیدہ جو کہ کفر کی بنیاد ہے اس میں تبدیلی ہو چکی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے اعمال معصیت اور اعمال کفر میں فرق واضح کر چکے ہیں کہ کوئی قطعی دلیل اس بات کی ہونی چاہیے کہ دل کا عقیدہ خراب ہوا ہے یا عقیدہ میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے تب معصیت کے مرتکب کا کفر ثابت ہوگا صرف ظاہری طور پر معصیت پر اصرار اس کے عقیدے کے بگاڑ پر دلالت نہیں کرتا۔

اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں:

① **ظاہراً:** کسی معصیت کے عمل پر اصرار یعنی اسے بار بار کرنا اور اس کی ظاہری صورت بھی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کے دل کا عقیدہ بھی تبدیل ہو چکا ہے یا وہ معصیت کو حلال سمجھ رہا ہے جبکہ یہ استحلال ہی

اعمال میں کفر کی بنیاد ہے اگر چہ اس بات کا اندیشہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔البتہ بار بار کیا جانے والا صغیرہ گناہ کبیرہ شمار ہوگا اس پر تنبیہ کی جائے گی تا کہ وہ اس کو ترک کر دے۔ یہاں پر تلازم الظاہر والباطن کے قاعدے سے دلیل لینا صحیح نہیں ہے یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسلسل معصیت کا ارتکاب فساد باطن اور عقیدہ قلب کے سقوط کی دلیل ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر ظاہراً منحرف ہے تو باطن بھی اسی کے مطابق ہوگا اگر اس کا ظاہری عمل معصیت کا ہے تو اس کا کرنے والا باطناً فاسق ہے اگر اس کا فعل کفر ہے تو کرنے والا کافر ہے۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ فعل اگر چہ کافر بنانے والا نہیں ہے مگر پھر بھی (اس کا اصرار) اس کے کفر کی دلیل ہے۔ یہ ہم تب کہہ سکتے ہیں جب شارع کا نص موجود ہو یا نص کے قائم مقام دلیل ہو یعنی قواعد قطعیہ ثابتہ،مطلب یہ ہے کہ اللہ نے معصیت کے مرتکب کو فاسق کہا ہے تو ہم بھی اسے فاسق کہیں گے اس لیے کہ ہم ظاہر کو باطن پر دلیل بنائیں گے ایسے شخص کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کامل ایمان والا مؤمن ہے بلکہ اس کی ظاہری حالت کی وجہ سے اس کا فسق ماننا پڑے گا۔اور اگر اللہ نے کسی عمل کو کفر کہا ہے چاہے یہ نص سے ثابت ہو یا نص کے قائم مقام دلیل سے اس عمل کا مرتکب کافر ہوگا اس لیے کہ ہم ظاہر و باطن میں تلازم ثابت کریں گے۔تلازم کا قاعدہ شرعاً کسی فعل کے ارتکاب سے زائد وصف کے ثبوت کے لیے لیا جائے اور اس سے نتیجہ اخذ کیا جائے بغیر کسی قطعی دلیل کے تو یہ بے محل بات ہوگی۔اسی وجہ سے تو خوارج نے معصیت یا اصرار پر تکفیر کا حکم لگایا ہے۔

(۲) **حقیقتاً:** گناہوں پر مصر رہنے والے توبہ نہ کرنے والے کی دو حالتیں ہیں۔

✿ یا تو وہ خواہشات سے مجبور ہو کر گناہوں پر مداومت کرتا ہوگا جبکہ دلی طور پر وہ اطاعت کرنا چاہتا ہو یہ نافرمان شمار ہوگا ایسا نافرمان جس کے گناہ صغیرہ بھی اصرار کی وجہ سے گناہ کبیرہ شمار ہوں گے۔

✿ یا تو یہ اصرار اس لیے کرتا ہوگا کہ اس کا دل کبھی بھی گناہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو تو یہ شخص اللہ کے اوامر سے عناد رکھنے والا ہے یہ شخص ایسا ہے کہ اس کے دل کا عقیدہ ختم ہو چکا ہے،اس میں سے اطاعت ختم ہو چکی ہے اس کا التزام جا چکا ہے اس کا عقیدہ خراب ہو چکا ہے یہ اللہ کے نزدیک حقیقتاً کافر ہے۔اگر چہ ظاہری طور پر ہم اس پر کفر کا حکم نہیں لگائیں گے جب تک کوئی واضح ثبوت ہمارے پاس اس بات کا نہ آ جائے کہ یہ شخص معصیت کو حلال سمجھ رہا ہے۔ثبوت اس طرح ہوگا کہ خود اعلان کرے یا اس طرح ثبوت مل جائے کہ وہ شریعت کو تبدیل

کرنے والا اس عمل کو باقاعدہ منہج وطریقے کے طور پر اپنائے رکھے اور اسے اپنی زندگی کا اصول بنائے رکھے لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دے اپنے اس غلط عمل کی خوبیاں بیان کرتا رہے (اس عمل کے بارے پر شریعت کی برائی بیان نہ کرتا ہو) تو یہ عمل اس بات کا کافی ثبوت ہوگا کہ اس کا عقیدہ خراب ہو چکا ہے اور اللہ کی شریعت کے بجائے یہ دوسرے طریقوں کو پسند کرتا ہے معصیت کی راہ پر اس طرح چلنا گویا ایسا ہے کہ اس نے معصیت کو ہی منہج وشریعت بنا رکھا ہے اس کے دل میں خیال تک نہیں آتا کہ اس معصیت کو چھوڑ دے بلکہ مسلسل اس معصیت میں مبتلا رہتا ہے جیسا کہ وہ شخص کہ جو گناہ پر مصر رہتا ہے مگر کافر نہیں قرار پاتا۔اس طرح کا طرز عمل کفر پر اُس وقت دلالت کرتا ہے جب معصیت کو حلال سمجھا جائے۔البتہ جو اس طرح معصیت کو حلال نہیں سمجھتا،اس کو کافر قرار دینے کا کوئی جواز نہیں۔ فقہ اکبر کے شارح نے بھی ہمارے بیان کی طرح استحلال ثابت کیا ہے۔ کہتے ہیں: گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اسے حلال سمجھنا کفر ہے جبکہ اس عمل کا معصیت ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو اسی طرح معصیت کو معمولی سمجھنا بھی کفر ہے یعنی کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر اس کا ارتکاب کرتا رہے اس کی پرواہ نہ کرے کہ میں گناہ کر رہا ہوں بلکہ اسے جائز امور کی طرح کرتا جائے۔[فقه اکبر ص ١٢٦]

ابن قیم رحمہ اللہ نے اس شخص کو کافر کہا ہے جو دل سے یہ عزم کر لے کہ معصیت پر مداومت کرے گا اسے کبھی ترک نہیں کرے گا اس لیے کہ اس کے دل میں کئی قسم کی باتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔فرماتے ہیں: یہ بات یاد رکھیں کہ معصیت پر اصرار اور دوام دل میں غیر اللہ کا خوف پیدا کر دیتا ہے۔غیر اللہ سے امید پیدا کرتا ہے غیر اللہ کی محبت غیر اللہ کے آگے عاجزی غیر اللہ پر توکل پیدا کرتا ہے اور یہ ایسی باتیں ہیں جو انسان کو شرک کی گھاٹی میں پہنچا دیتی ہیں اگر انسان میں عقل ہو تو وہ اس بارے میں خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ معصیت کی ذلت یا معصیت کے آگے جھکنا،اس کے تابع ہونا، دل میں غیر اللہ کا خوف پیدا کرتا ہے اور یہ ایسا شرک ہے کہ جو دل میں غیر اللہ کی محبت بٹھا دیتا ہے اور پھر غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کی بھی عادت ڈال دیتا ہے اس طرح اس کا عمل نہ اللہ کے لیے ہوتا ہے نہ اللہ کے بھروسے پر ہوتا ہے جبکہ یہ حقیقی شرک ہے البتہ ایسے شخص کے پاس کبھی ابوجہل والی توحید ہوتی ہے اور وہ توحید جو بت پرستوں کے پاس بھی تھی یعنی توحید ربوبیت،توحید ربوبیت کا معنی ہے اس بات کا اعتراف کہ اللہ کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے اگر یہ توحید نجات کے لیے کافی ہوتی تو بت پرستوں کی نجات

کا ذریعہ بن جاتی جبکہ اصل توحید، توحید الوہیت ہے جو موحدین و مشرکین میں وجہ امتیاز ہے۔[مدارج السالکین لابن قیم رحمہ اللہ ج ۱ ص ۳۲۶]

استحلال ظاہرہ کی دلالت سے متعلق ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ کا فرمان ہے:

اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ [التوبۃ:۳۷]

''حرمت والے مہینہ کو مؤخر کرنا کفر میں اضافہ ہے۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ (کافر) جب ایک سال حرمت والے مہینے میں قتال کرتے تھے تو اسے حلال قرار دیتے تھے اور دوسرے سال جب جنگ نہیں کرتے تھے تو اس ماہ کو حرام قرار دے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحَرِّمُوۡا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمۡ [المائدۃ:۸۷]

''ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام مت کرو۔''

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو زہد و تقویٰ کی وجہ سے کچھ چیزیں نہیں کھاتے تھے بعض لوگوں نے خود پر کچھ اشیاء قسم کھا کر حرام کر دی تھیں حالانکہ اس طرح یہ چیزیں حرام نہیں ہو جاتیں اور بعض لوگ ان چیزوں سے ویسے ہی اجتناب کرتے تھے بغیر قسم اور بغیر حرام کیے مگر ان سب کو اللہ نے حرام کہا کیونکہ لوگوں نے اپنی خواہشات کی پیروی میں ان سے اجتناب کیا۔ عربی میں کہتے ہیں۔((فلان لا یحلل و لا یحرم)) ''فلاں شخص نہ حلال قرار دیتا ہے نہ حرام''۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص نہ حرام کام سے باز آتا ہے نہ جائز کام سے رکتا ہے اگر کسی حرام چیز کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھا جائے اور اس سے اجتناب نہ کیا جائے اگرچہ اس حرام چیز کو حلال سمجھ کر استعمال نہ کیا جائے تو بھی اس عمل کو حرام شمار کیا جاتا ہے۔[جامع العلوم والحکم لابن رجب رحمہ اللہ ص ۱۹۵]

خوارج کہتے ہیں کہ: گناہ کا اصرار اس وقت تک کا فر نہیں بناتا جب تک توبہ و استغفار کرتا رہے تو خوارج کی یہ بات تحصیل حاصل ہے اس لیے کہ جس نے گناہ کے بعد توبہ کر لی تو وہ اس طرح ہوا گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں (تو اُسے کافر کیسے کہا جا سکتا ہے؟ لہٰذا خوارج کو یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی) جیسا کہ

حدیث میں آتا ہے۔

((التائب من الذنب کمن لاذنب که))[ابن ماجة ، طبرانی]

''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔''

گناہ دوبارہ کرنا، نیا گناہ اور ایک دوسری معصیت ہوگا اس پر اصرار والی بات صادق نہیں آتی ۔جبکہ توبہ واستغفار ترک کرنا گناہ پر مداومت ہی اصرار ہے جیسا کہ ہم نے طبری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔(توبہ واستغفار کا ترک اور معصیت ترک نہ کرنے پر دل کے عقیدہ میں فرق ثانی الذکر حقیقی کفر ہے)

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمارے علماء کہتے ہیں استغفار وہی مطلوب ہے یا مفید ہے جو اصرار کو ختم کردے اس استغفار کا معنی دل میں بیٹھ جائے صرف زبان سے نہ ہو جس نے زبان سے استغفراللہ کہا اور دل میں معصیت پر مصر رہا تو اس کا یہ استغفار مزید استغفار کا محتاج ہے اس کے گناہ صغیرہ کبیرہ کے ساتھ شمار ہوں گے۔[قرطبی :ج ٤ ص ٢١٠]

ایک وجہ اور بھی ہے وہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا خواہش پر غالب آنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَجَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ [آل عمران : ١٣٥،١٣٦]

''اور وہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے وہ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہے۔''

اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جاننے کے بعد اپنے گناہوں پر ❶ اصرار نہیں کرتا اور اللہ

❶ یہاں جاننے کی شرط کی کئی تفاسیر ہیں ایک معنی یہ ہے کہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان سے توبہ کرتے ہیں۔کسی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کریں گے تو اللہ ان کی توبہ قبول کرے گا۔کسی نے کہا کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا ربّ انہیں معاف کرے گا۔۔لیکن آخری قول صحیح معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ اگر وہ حلال وحرام کا حکم نہیں جانتے تو پھر وہ معذور ہیں کہ ان تک ⇦

سے مغفرت مانگتا ہے۔

تو وہ شخص ایمان کے اعلیٰ درجات میں ہے اور مؤمنین کی بہترین صفات سے متصف ہے۔قرآن واضح طور پر ان کے مقاصد بیان کرتا ہے (اس کی تفصیل باب ثالث میں آئے گی) وہ مؤمنین کی بہترین صفات بیان کرتا ہے تاکہ اہل حق ان میں رغبت کریں انہیں اپنانے کی کوشش کریں۔کافروں کی بدترین عادتیں بیان کرتا ہے تاکہ مؤمن ان سے نفرت کریں اور ان سے دور رہیں (اس فصل کا باب ثالث دیکھیں) آیت میں جو صفت بیان ہوئی ہے وہ عام مسلمان کی ذاتی صفت نہیں ہے بلکہ یہ کمال ایمان کی صفت ہے۔یعنی گناہ پر اصرار کرنے والا ضروری نہیں کہ مشرک ہو البتہ ہوسکتا ہے کہ اگر اس کا دل اس پر پختہ ہو تو۔یا وہ صرف نافرمان ہو اور گناہ پر قائم رہنے کی وجہ سے کمالِ ایمان نہ کرسکا ہو جبکہ اس کا دل اس گناہ پر پختہ نہ ہو اور وہ توبہ ترک کر چکا ہو۔آیت سے اس کا مفہوم مخالف نہیں لینا چاہیے یعنی یہ نہیں مراد لینا چاہیے کہ جو گناہ پر مصر نہ رہا وہ مؤمن ہے اور مصر کافر ہے۔اس طرح کرنا صحیح فہم نہ ہوگا نہ ہی صحیح نقطہ نظر ہوگا نہ ہی اصول وقواعد اس بات کو تسلیم کریں گے۔

انفرادی یا اجتماعی طور پر شرائع کو قبول یا ردّ کرنا

ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ معاصی (گناہ) میں کفر کا دارومدار اس پر ہے کہ یا تو دل کا عقیدہ ساقط ہو جائے یا معصیت کو حلال سمجھا جائے۔معصیت کو حلال سمجھنا یہ قلبی معاملہ ہے اس پر قطعی دلیل کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے مرتکب پر کفر کا حکم لگایا جاسکے کسی فرد کی طرف سے معصیت کا ارتکاب کرنا اور پھر اس پر مداومت اس کی طرف سے اصرار سمجھا جائے گا اور گناہ کبیرہ شمار ہوگا۔جیسا کہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ نے اس کو زواجر میں شمار کیا ہے۔جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شریعت یا اس کے اوامر نواہی کا ردّ اس وقت سمجھا جائے گا جب معصیت دوام اور رواج کی شکل اختیار کرلے اور اس کا مرتکب یہ جانتے ہوئے کہ یہ اللہ کے حکم کے مخالف ہے اس کی تعریف توصیف وتحسین کرے اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دے۔ان باتوں کو مدنظر رکھ کر اس شخص کا ظاہری فعل

⇐ شریعت نہیں پہنچی اور ان پر حجت قائم نہیں ہوئی اوامر ونواہی فروع میں سے ہیں لہٰذا صحیح معنی اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ ان گناہوں کی وجہ سے اللہ انہیں سزا دے گا اور اللہ ان کے اعمال سے واقف ہے۔[قرطبی: ج۴ص۲۱۲]

کفر شمار ہوگا یہ تو ہے انفرادی طور پر جبکہ معاشرے میں یا اجتماعی لحاظ سے دیکھیں گے تو اس کی دلالت کے لیے دیگر باتیں ہیں ۔فقہاء نے کچھ شروط وضع کی ہیں اور کچھ معین صفات بتلائی ہیں جن کو دیکھ کر دارالاسلام اور دارالکفر میں فرق کیا جاسکتا ہے جہاں یہ شروط پائی جائیں ان کے مطابق ہی اس معاشرے پر حکم لگایا جائے گا (کہ یہ دارالاسلام ہے یا دارالکفر ؟) اگر کوئی معاشرہ اپنے افراد کی معصیت پر خاموش رہے اور حالت یہ ہوجائے کہ وہ معصیت لوگوں میں اب منکر نہ سمجھی جاتی ہو اس پر عام عمل ہو رہا ہو اور اس معصیت کے خلاف (صحیح اسلامی عمل) کو اب منکر سمجھا جا رہا ہو تو یہ حالت اس بات پر یقینی دلالت کرتی ہے کہ شریعت یہاں ردّ ہوچکی ہے اور عمومی معاشرہ شریعت کی پیروی پر آمادہ نہیں ۔ ❶

اگرچہ اس معاشرے میں ایک ایک فرد کو اسلام سے خارج نہیں کہا جاسکتا اسی طرح پورے معاشرے کو بھی کافر نہیں کہا جاسکتا البتہ یہ امور معاشرے کی معصیت اور نافرمانی پر دلالت کرتے ہیں ۔ اب ایسا کوئی معاشرہ اسلامی نہیں ہوسکتا جو اگرچہ زبانی طور پر ہی اسلامی ہونے کا دعویدار ہو اور وہ محمد ﷺ کی رسالت اور اللہ کی ربوبیت کے اقرار کے ساتھ ساتھ کفریہ اعمال میں بھی مبتلا ہو ۔فقہاء نے ان علامات یا دلالتوں کا ذکر کیا ہے جن کی بنا پر کسی معاشرے کو غیر اسلامی معاشرہ کہا جاسکتا ہے اور وہ دارالاسلام سے دارالکفر میں تبدیل ہوجاتا ہے فقہاء کا اجماع ہے کہ (کسی معاشرے کا دارالاسلام سے دارالکفر بننے کی علامت یہ ہے کہ) وہ ﴿ بغیر ما انزل اللہ ﴾ حکومت و فیصلے کرے ، اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر دیگر قوانین کی طرف رجوع کرے ، اسلامی شریعت کے بجائے کسی اور قانون کی علمبردار بنے اس غیر شرعی نظام پر اس کے تمام معاملات استوار ہوں ۔[تفصیل کے لیے بدائع الصنائع للکاسانی ج۹ ص ٤٣٧)

تو یہ باتیں قطعی دلیل ہوں گی اس بات پر کہ اس معاشرے نے مکمل طور پر شریعت اسلامی کو ردّ کر دیا ہے اور

---

❶ معاشرے میں ایسے امور کہ جو غلط اور خلاف شرع ہیں اور اب عمومی طور پر معاشرے میں رواج پاچکے ہیں ان میں سے ایک مردوں اور عورتوں کا باہم مصافحہ کرنا کہ اب یہ لازمی قرار دیا جاچکا ہے کہ استقبال کے وقت اجنبی عورت و مرد آپس میں مصافحہ کریں اور اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو اس کو بے ادب یا جاہل سمجھا جاتا ہے اب یہ معاشرے میں لازمی قرار دیا جاچکا ہے اور جو شخص اس حرام کام سے اجتناب کرتا ہے اس کو برا سمجھا جاتا ہے اسی طرح کے دیگر امور بھی ہیں ۔

اسلام سے کلی طور پر خارج ہو چکا ہے اگرچہ اس معاشرے کے ایک ایک فرد کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے کہ افراد پر کفر کے حکم لگانے کے لیے دیگر امور ہوتے ہیں جو معاشرے پر کفر کا حکم لگانے کے علاوہ ہیں کہ شخصیت کے کفر واسلام کا اعتبار دوسرے طریقے سے ہوتا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اس دارالکفر میں افراد اپنے معاملات کو کس طرح نمٹائیں جو معاشرہ دارالکفر بن چکا ہے کہ اس میں حدود قائم نہیں یا جمعہ کا قیام واجب نہیں رہا۔ یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے جمہور اس کے خلاف ہیں اس کے علاوہ بھی دیگر باتیں ہیں جن کی بنا پر کسی معاشرے کے اسلامی وغیر اسلامی کا فیصلہ ہوتا ہے۔

((دوسرا باب))

مرجئہ پر ردّ ❶

مرجئہ پر ردّ: مرجئہ قدیم ہوں یا جدید، ان کے افکار تین بنیادی نقاط کے گرد گھومتے ہیں جن کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت کو سمجھنے میں تناقض اور استدلال ❷ کے طریقوں سے انحراف کی وجہ سے ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ہم آئندہ سطور میں یہ نقاط ذکر کریں گے اور پھر جتنا ممکن ہوسکا اس کا

---

❶ لغت میں کلمہ مرجئہ ارجاء سے ہے جس کا معنی ہے مہلت دینا، مؤخر کرنا، کہا جاتا ہے کہ مرجئہ فرقہ دراصل اس گروہ کو کہا جاتا ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے مخالفین کے درمیان ہونے والے واقعہ اور علی رضی اللہ عنہ ومعاویہ رضی اللہ عنہ کے باہمی چپقلش سے لاتعلق رہے پھر اس کے بعد ان نظریات میں سے یہ مشہور ہوا کہ ایمان اور کفر اور دیگر اعتقادات میں ان کی رائے شیعہ وخوارج سے الگ ہے یہ افراط کے آخری سرے پر ہیں ان کی رائے عوام میں فساد ومعاصی پھیلانے کا ذریعہ بنی۔ مودودی کہتے ہیں: یہ فرقہ بھی اسی طرح وجود میں آیا کہ اس کے بھی مخصوص دینی نظریات تھے جن کا خلاصہ یہ ہے:

① ایمان صرف اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے اعتراف کا نام ہے (یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے) ایمان کے لیے عمل ضروری نہیں ہے اس طرح اگر ایک شخص فرائض کو ترک کردے اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا رہے پھر بھی وہ مؤمن رہتا ہے۔

② نجات کی بنیاد صرف ایمان ہے۔ ایمان کی موجودگی میں کوئی بھی معصیت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ بعض مرجئہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شرک کے علاوہ بقیہ کبائر لازمی طور معاف ہوجاتے ہیں ان میں سے کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص دارالاسلام میں جہاں کفار کا ڈر نہ ہو اگر اس کے دل میں ایمان ہے اور وہ زبان سے کفر کا اعلان کرتا ہے یا بتوں کی عبادت کرتا ہے یہودی یا نصرانی بنتا ہے تو بھی یہ کامل ایمان والا ہے اللہ کا ولی ہے جنتی ہے۔ یہ نظریات ایسے تھے جن کی وجہ سے لوگوں کو معاصی کرنے کی جراءت ہوئی ان نظریات کی وجہ سے فساد ظلم وجور پھیل گیا۔ لوگ کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہوئے اس امید پر کہ اللہ سب کچھ معاف کرے گا (اس لیے کہ دل میں ایمان ہے۔) [تفصیل کے لیے دیکھیے خلافت وملوکیت للمودودی ص ۱۴۵ اور الملل والنحل لابن حزم رحمہ اللہ ج ۴ ص ۲۰۴] اس فرقے کے بعد میں آنے والے لوگ اپنے اسلاف کے ساتھ ہر بات میں متفق نہ تھے، بلکہ ان کے قریب تھے بنیادی عقائد ونظریات ایک تھے البتہ کچھ افکار وخیالات میں تبدیلی آگئی تھی۔ جن نقاط میں اخلاف واسلاف متفق تھے وہ یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو کافر نہیں کہا جاسکتا اگر چہ وہ کفریہ اعمال ہی کیوں نہ کرے اس لیے کہ اس نے (شریعت کا) انکار نہیں کیا (لہٰذا کافر نہیں ہے) ان کے نزدیک ایمان تصدیق کا نام ہے اور کفر تکذیب کا جب تک کوئی شخص تکذیب نہیں کرتا اسے کافر نہیں کہا جاسکتا اگر چہ کیسا ہی کفریہ عمل کیوں نہ کرے وہ ملت سے خارج نہیں ہوگا۔ ⇦

ردّ پیش کریں گے۔ان شاءاللہ۔

① پہلا نقطہ:

یہ ایمان کے مفہوم سے متعلق ہے یہ تین اقوال میں منقسم ہے:

① ایمان صرف وہ ہے جو دل میں ہو (یعنی دل کا قول) پھر ان میں سے کچھ لوگ اس میں اعمال قلب کو داخل کرتے ہیں کچھ نہیں کرتے۔

② ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے۔یہ کرامیہ کا قول ہے۔❶

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: مرجئہ کی تین اقسام ہیں:

① وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ایمان صرف اس کو کہتے ہیں جو دل میں ہے پھر انہی میں سے کچھ لوگ عمل کو اس میں داخل سمجھتے ہیں کچھ نہیں سمجھتے یہ اکثر مرجئہ کا قول ہے۔جیسا کہ ابوالحسن اشعری نے ان کے اقوال اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔ان میں سے کچھ لوگ عمل کو ایمان میں داخل نہیں سمجھتے جیسا کہ جہمیہ ہیں۔

② **دوسرا قول:** کہ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے یہ کرامیہ سے پہلے کسی نے نہیں کہا۔

⇦ نہیں کہا جا سکتا اگرچہ کیسا ہی کفریہ عمل کیوں نہ کرے وہ ملت سے خارج نہیں ہوگا۔

❷ مناہج استدلال کی تفصیل آگے آ رہی ہے جو کہ اصول الفکر والنظر عند اھل السنۃ والجماعۃ سے ماخوذ ہیں اس میں ہم ان شاءاللہ مرجئہ کا ماخذ اور خوارج کے طرق استدلال پر بحث کریں گے اور کتاب وسنت کے جن نصوص پر انہوں نے اپنے مذاہب کی بنیاد رکھی ہے وہ بھی بتائیں گے۔مرجئہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ عموم کے لیے کوئی ایسا صیغہ نہیں ہے جو استغراق پر دلالت کرے جمع کے صیغے یا ال داخل کرنے کے بعد یا شرط سیاق نفی میں یا لفظ کل وجمیع وغیرہ جو کہ صیغ عموم ہیں یہ لغۃً وشرعاً عموم پر دلالت نہیں کرتے اسی طرح ان کے مذہب کے دیگر ادلہ وطرق استدلال چاہے وہ لغوی لحاظ سے ہوں یا شرعی وعقلی لحاظ سے (سب پر بحث کریں گے)

❶ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کرامیہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں: ایمان صرف ظاہری تصدیق کا نام ہے جب تصدیق کر لے گا تو آدمی مؤمن بن جائے گا اگرچہ باطن میں وہ تکذیب کرنے والا ہو۔یہ آدمی عذاب میں مبتلا ہوگا اور جہنم میں ہمیشہ رہے گا اس کے نام میں اختلاف ہے حکم میں نہیں جبکہ کچھ لوگ ان کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں وہ ایسے آدمی کو اہل جنت میں شمار کرتے ہیں مگر یہ غلط ہے اس کو مؤمن کہنا بدعت ہے جو انہوں نے کتاب وسنت اور اجماع سلف کے خلاف ایجاد کی ہے یہ ایسی بدعت ہے جس میں کرامیہ منفرد ہیں۔[الایمان الاوسط ص ۱۷]

③ **تیسرا قول:** کہ ایمان دل کی تصدیق اور زبانی اقرار کا نام ہے یہ قول اہل فقہ سے مشہور ہے۔ مرجئہ میں سے جو لوگ کہتے ہیں کہ ایمان دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ہے یہ قول اشاعرہ کے ہاں مشہور ہے۔[الایمان :ص۱٦۷]

بعض لوگ کہتے ہیں : کہ کفر تکذیب کا نام ہے ان کے نزدیک تصدیق اور ایمان مرادف ہیں۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس پر تفصیلی ردّ کیا ہے۔[الایمان الاوسط من مجموعه الفتاوی : ج ۷ ص ۵٤۳]

جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ایمان اور تصدیق میں لفظی و معنوی لحاظ سے فرق ہے۔ اور لغوی و شرعی فرق بھی کئی طرح سے ثابت کیا ہے ہم ان میں سے صرف وہ حصہ ذکر کریں گے جو ہمارے مقصد کے لئے مفید ہے جس سے کفر تکذیب اور کفر مطلق کا فرق واضح ہوجائے گا۔ فرماتے ہیں: لغت میں لفظ ایمان تکذیب کے مقابل نہیں ہے جیسا کہ لفظ تصدیق لغت سے ثابت ہوتا ہے، ہر خبر دینے والے کو یا صادق یا کاذب سمجھا جاتا ہے یعنی صدق اور کذب ایک دوسرے کے مقابل الفاظ ہیں جبکہ خبر دینے والے کے بارے میں صدقنا یا کذبنا تو کہا جاتا ہے مگر آمنا نہیں کہا جاسکتا نہ کسی کو یہ کہا جاتا ہے کہ "انت مؤمن له او مکذب" کہ تم اس خبر دینے والے کو جھٹلا رہے ہو یا اس پر ایمان لا رہے ہو یعنی ایمان کذب کے مقابل استعمال نہیں ہوتا۔ البتہ لفظ ایمان کفر کے مقابل استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے۔((هو مؤمن او کافر)) فلاں شخص مؤمن ہے یا کافر؟ کفر تکذیب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اگر کوئی (نبی ﷺ سے) یہ کہے کہ میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو مگر میں تمہاری اتباع نہیں کروں گا بلکہ تم سے دشمنی کروں گا تمہاری مخالفت کروں گا کبھی تمہاری تائید نہیں کروں گا تو یہ بہت بڑا کفر ہوگا۔ کفر اگر ایمان کے مقابل ہے تو یہ صرف تکذیب کا نام نہیں ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں ہے بلکہ کبھی کفر تکذیب بھی ہوتا ہے اور کبھی مخالفت دشمنی اور اطاعت نہ کرنا بھی کفر ہوتا ہے مگر بلا تکذیب۔ تو پھر لازم ہے کہ ایمان ایسی تصدیق کو کہا جائے جس میں موافقت دوستی اور اطاعت ہو صرف تصدیق کافی نہیں تو اسلام ایمان کے لفظ کا جزء ہوگا جس طرح کہ تصدیق کے باوجود اطاعت سے انکار لفظ کفر کا جزء ہے۔ لازم ہے کہ ہر مؤمن مسلمان اوامر کا اطاعت گزار ہو اور یہ عمل ہے۔

[الایمان :ص۲۵۰]

اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ایمان کن چیزوں کا مرکب ہے ان کے دلائل بھی گذر گئے ہیں اور ہم نے انکار کی بھی تشریح کی تھی کہ وہ کفر ثابت کرنے کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے یہ بھی ہم بتا چکے ہیں کہ ایمان کے اثبات کے لیے تصدیق کی کیا حیثیت ہے۔

② دوسرا نقطہ:

جس نے زبان سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہہ دیا وہ مؤمن ہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ان لوگوں نے یہ نظریہ اس لیے اپنایا ہے کہ یہ احادیث کا مفہوم صحیح طرح سمجھ نہیں سکے جیسا کہ حدیث ہے:

((ما من عبد قال لاالٰه الاالله ثم مات علیٰ ذالك الا دخل الجنة))[مسلم]

''جس بندے نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہد یا اور اسی پر اس کا انتقال ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

اس کے علاوہ بھی اس معنی کی متعدد احادیث ہیں ان لوگوں نے ان احادیث کی وجہ سے یہ عقیدہ اپنایا ہے کہ صرف زبان سے شہادتین کا اقرار اس اسلام کی حقیقت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے جو جہنم میں ہمیشہ رہنے سے بچانے والا ہے۔

③ تیسرا نقطہ:

ایمان ہو تو کوئی معصیت نقصان نہیں پہنچاتی جس طرح کہ کفر کی موجودگی میں اطاعت فائدہ نہیں دیتی اس معاملے میں انہوں نے ان آیات پر اعتماد کیا ہے جن میں اللہ کی رحمت ۔مغفرت اور گناہوں کی بخشش کا ذکر ہے مثلاً

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْم [المائدہ:٣٩]

''اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

یا یہ آیت:

اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ [الزمر:٥٣]

''اللہ تمام گناہ معاف کرتا ہے وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اس طرح کی دیگر آیات جن میں اللہ کی رحمت ومغفرت کا تذکرہ ہے یہ تین نقاط ہیں جن کے گرد قدیم وجدید مرجئہ کی فکر گھومتی ہے اور بہت سے داعیان اسلام بھی ان کے اصولوں کو سمجھے بغیر ان سے بہت متاثر ہوئے ہیں ۔آئندہ سطور میں ہم ان شبہات کا ترتیب وار ردّ پیش کریں گے ۔مگر اس سے پہلے ہم اہل سنت والجماعۃ کا مذہب ذکر کریں گے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اسی طرح ایمان کی حقیقت اور اس میں تصدیق کا کیا مقام ہے یہ بھی ذکر کریں گے۔

((دوسری فصل))

شفاعت کی احادیث اور شہادتین کی حقیقت؟

نبی ﷺ سے ایسی احادیث مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس نے ''لا الہ الا اللہ'' کہہ دیا وہ جنت میں داخل ہوگا اسی مفہوم کی دیگر احادیث ہیں مرجئہ نے انہی احادیث کو لیا ہے اور ان کو ان کے ظاہری معنوں پر محمول کیا ہے اور یہ نظریہ اپنایا ہے کہ جس نے زبان سے شہادتین ادا کر لیا وہ اللہ کے نزدیک مسلمان ہے اور اللہ کے حکم سے جنت میں جانے کا مستحق ہے اس معنی کی احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

① ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ خوش قسمت شخص کون ہوگا جسے قیامت کے دن آپ ﷺ کی سفارش نصیب ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ مجھے معلوم تھا کہ تم سے پہلے یہ سوال کوئی نہیں کرے گا اس لیے کہ تمہیں حدیثوں کا بہت شوق ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میری سفارش اس کو نصیب ہوگی جس نے دل خلوص سے ''لا الہ الا اللہ'' کہا ۔[رواہ بخاری]

② عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے ''لاالہ الااللّٰہ وحدہٗ لاشریك له وان محمداً عبدہ ورسولہ'' کی گواہی دی اور یہ گواہی دی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول، اس کے بندے اور کلمہ اور روح ہے جن کو مریم کی طرف ڈالا گیا ہے۔ اور جس نے یہ تسلیم کر لیا کہ جنت حق ہے جہنم حق ہے تو اللہ ایسے آدمی کو جنت میں داخل کرے گا چاہے کوئی بھی عمل کرتا ہو۔[رواہ بخاری ومسلم]

③ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرما رہے تھے: جس نے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دی اس پر اللہ نے جہنم کی آگ حرام کر دی ہے۔[رواہ مسلم]

④ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: یا معاذ انہوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ میں حاضر ہوں تین مرتبہ آپ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کیا پھر فرمایا: جو بھی شخص ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دل کی سچائی سے دے اس پر اللہ جہنم کی

آگ حرام کر دیتا ہے۔ [رواہ بخاری ومسلم]

ان کے علاوہ بھی احادیث ہیں جن میں مذکور ہے شہادتین کا اقرار جنت میں داخل ہونے کی شرط ہے اور نجات کا مدار شہادتین کے اقرار پر ہے۔ اہل سنت والجماعت نے متفقہ طور پر کے ان احادیث کے ظاہری مفہوم کے بجائے تاویل کی ہے اور ان کے عموم کا اعتبار نہیں کیا ہے ان کے اقوال ان احادیث کے بارے میں مندرجہ ذیل ہیں:

❁ امام شاطبی رحمہ اللہ نے کتاب وسنت کو سمجھنے کے لیے جو طریقہ بتلایا ہے وہ کہتے ہیں: سنت کا یہاں بڑا دخل ہے اس لیے کہ سنت کتاب اللہ کی شرح ہے لہٰذا اس شرح وتفسیر میں وہی کچھ ہوگا جو کتاب اللہ میں ہے اسی طرح تقدیم وتاخیر کا بھی لحاظ کیا جائے گا تا کہ ناسخ ومنسوخ کا علم حدیث میں ثابت ہو سکے جس طرح کہ قرآن میں ہے اسی طرح احادیث میں بہت سی ایسی باتوں کا ذکر ہے جو شرعی احکام سے پہلے کی ہیں تو ان میں مطلق اور عام بیان ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس سے وہ مفہوم لے لیا جاتا ہے جو اس کا ہوتا نہیں اگر وہ ان شرعی احکام کے آنے کے بعد آتیں تو تب ان کا صحیح مفہوم آسانی سے سمجھا جا سکتا تھا۔ ان احادیث میں سے یہ بھی ہے کہ جو مرگیا اور وہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کو جانتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا یا یہ حدیث کہ جو بھی صدق دل سے ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دے اس پر اللہ نے جہنم کو حرام کر دیا ہے۔ اس طرح کی دیگر احادیث بھی ہیں جن کی وجہ سے امت میں اختلاف ہے ان لوگوں کے بارے میں جو اقرار شہادتین کے بعد نافرمانیاں کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں مرجئہ کہتے ہیں کہ ان احادیث کا وہی مطلب ہے جو ان کے ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔ اور جو ان احادیث کے معارض ہیں تو مرجئہ کے نزدیک ان میں تاویل کی جائے گی۔ جبکہ اہل سنت والجماعت کا مذہب مرجئہ کے خلاف ہے جیسا کہ ان کی کتب میں مذکور ہے کہ وہ ان احادیث کے ظاہر کو نہیں لیتے بلکہ ان میں تاویل کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سلف میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ احادیث اسلام کی شروع حالت سے متعلق ہیں جب فرائض، اوامر ونواہی نازل نہیں ہوئے تھے اب اگر اس دور میں کوئی شخص مرگیا اس نے نہ روزہ رکھا نہ نماز پڑھی اور بعد میں حرام قرار دیا جانے والا عمل بھی اس نے کیا تھا (حرمت سے قبل) تو اس پر کوئی گناہ نہیں اس لیے کہ وہ ان باتوں میں سے کسی کا مکلّف نہیں تھا لہٰذا اس کے

اسلام میں سے کوئی بھی چیز ضائع نہیں ہوئی جس طرح کہ ایک شخص شراب کی حرمت سے پہلے مر گیا حالانکہ شراب اس کے پیٹ میں موجود تھی پھر بھی اس پر کوئی حرج نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ......[المائدۃ:۹۳]﴾

''کہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے ان پر کوئی گناہ نہیں'' کہ (انہوں نے حرمت سے پہلے شراب پی)اسی طرح جو لوگ تحویل قبلہ سے پہلے مر گئے تو بیت المقدس کی طرف ان کی پڑھی ہوئی نمازیں صحیح تھیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ [البقرۃ:۱۴۳]﴾ ''اللہ تمہارا ایمان ضائع نہیں کرے گا۔'' اس طرح کے دیگر امور ہیں جو ہماری اس بات کی وضاحت کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ کتاب وسنت کو سمجھنے کے لیے تقدیم وتاخیر کا جاننا ضروری ہے۔[الموافقات للشاطبی ج۳ ص ۴۰۸]

حافظ منذری رحمہ اللہ ترغیب وترہیب میں کہتے ہیں: بڑے بڑے اہل علم نے کہا ہے کہ جن احادیث میں مطلقاً بیان ہوا ہے کہ جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہہ دیا وہ جنت میں داخل ہوگا یا اس پر جہنم حرام ہے وغیرہ وغیرہ تو یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب دعوت صرف اقرارِ توحید کی طرف تھی مگر جب فرائض مقرر ہو گئے حدود نازل ہوئیں تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اس بات پر بہت سے دلائل موجود ہیں یہی بات ضحاک، زہری، سفیان ثوری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے بھی کی ہے ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ان میں نسخ کی ضرورت نہیں بلکہ جتنے بھی ارکان دین وفرائض اسلام ہیں وہ شہادتین کے اقرار میں شامل ہیں۔[ترغیب وترھیب ج ۲ ص۴۱۳]

جس طرح کہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'تحقیق کلمۃ الاخلاص' میں لکھا ہے کہ سلف رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں: کہ ان احادیث کو ظاہری معنی سے پھیر دیا جائے گا۔ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ احادیث اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث حدود وفرائض کے نزول سے قبل کی ہیں یہ کہنے والے زہری۔سفیان وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم ہیں مگر یہ بعید از عقل ہے اس لیے کہ ان میں سے اکثر احادیث مدینہ کے دور کی ہیں جبکہ فرائض وحدود نازل ہو چکی تھیں بلکہ بعض احادیث تو تبوک کے موقع کی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری دور تھا ان لوگوں میں سے کچھ کہتے ہیں کہ یہ احادیث منسوخ ہیں کچھ کہتے ہیں کہ: یہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہیں مگر ان کے ساتھ شرائط کو ملا دیا جائے گا۔یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ نص پر اضافہ نسخ ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اصولیین کا اختلاف مشہور ہے۔ایک گروہ

کہتا ہے: یہ احادیث دوسری جگہ مطلق نہیں بلکہ مقید آئی ہیں بعض میں ہے کہ: ((من قال لا الٰہ الا اللہ مخلصاً من قلبه)) ''جس نے خلوص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا''، بعض میں ہے کہ زبان سے شہادت کا اقرار کیا اور دل اس پر مطمئن رہا۔[تحقیق کلمة الاخلاص ابن رجب رحمہ اللہ ص ۱۹]

اس کے بعد ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے اقوال ذکر کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی احادیث مطلق نہیں بلکہ مقید ہیں کچھ شروط کے ساتھ جن کا موجود ہونا ضروری ہے کہتے ہیں: حسن رحمہ اللہ نے فرزدق سے کہا (جب وہ اپنی بیوی کو دفنا رہے تھے) کہ تم نے اس دن کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ انہوں نے کہا ستر سال سے میں ''لا الٰہ الا اللہ'' کی گواہی دے رہا ہوں، حسن رحمہ اللہ نے کہا ''لا الٰہ الا اللہ'' تیاری تو ہے مگر اس کے کچھ شرائط بھی ہیں، پاکدامن پر الزام لگانے سے اجتناب کرو، کسی نے حسن رحمہ اللہ سے کہا کچھ لوگ کہتے ہیں: کہ جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا وہ جنت میں داخل ہوگا تو حسن رحمہ اللہ نے فرمایا جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اور اس کا حق ادا کر دیا اس کے فرائض بجالایا وہ جنت میں جائے گا۔

ایک سوال کرنے والے نے وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے کہا: کیا ''لا الٰہ الا اللہ'' جنت کی چابی نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ مگر کوئی چابی بغیر دندانوں کے نہیں ہوتی اگر تم ایسی چابی لاؤ گے جس کے دندانے ہوں گے وہ تالا کھول دے گی ورنہ نہیں۔ جیسا کہ صحیحین میں ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو، نماز پڑھو، زکوٰۃ دو اور صلہ رحمی کرو اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ [التوبۃ:۱۱]

''اگر یہ لوگ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دینی بھائی چارہ صرف اس وقت ثابت ہوتا ہے جب توحید کے ساتھ فرائض بھی ادا کیے جائیں۔ شرک سے توبہ صرف توحید کو اپنانے سے ہی ممکن ہے۔[تحقیق کلمة الاخلاص ص ۲۰]

امام آجری رحمہ اللہ نے اسلاف میں سے ان کا قول لیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ احادیث فرائض کے نزول سے قبل کی ہیں۔ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص من قال ''لا الٰہ الا اللہ'' دخل الجنۃ جیسی احادیث سے دلیل لیتا ہے تو اس کو

کہا جائے گا یہ احادیث فرائض کے نزول سے قبل کی ہیں یہ ان علماء کا قول ہے جن کی تعریف اللہ نے کی ہے اور قابل اقتداء ائمہ تھے سوائے مرجئہ کے جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب چھوڑ دیا تھا اور جن سے ہر ملک کے باشندے واقف ہیں۔[الشریعة للآجری: ص ۱۰۲]

ہم نے اہل سنت والجماعت کے جن علماء کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بالاجماع ان احادیث کو ظاہری معنی سے پھیر دیا ہے اور ان کا مفہوم جو کچھ بیان کیا ہے، یہ مختلف طرق سے ہے البتہ ان احادیث کو ظاہری معانی سے پھیرنے کی وجوہات میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔اس معاملے میں بہت سے داعیانِ اسلام کے اقوال میں لغزش ہوئی ہے ان کا خیال ہے کہ صرف شہادتین خلود فی النار سے نجات کا ذریعہ ہے ان کو بھی وہی غلط فہمی ہوئی ہے۔ایک بات جو ابن رجب رحمہ اللہ نے کی ہے کہ یہ احادیث فرائض کے نزول سے پہلے کی ہیں مگر یہاں ان سے غلطی ہوئی ہے اس لیے کہ ان احادیث میں سے کچھ احادیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور وہ مدینہ میں ہجرت کے ساتویں سال ایمان لائے جبکہ اس وقت تک بہت سے فرائض نازل ہو گئے تھے۔ کچھ احادیث غزوۂ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو، نماز پڑھو، زکوٰۃ دو اور صلہ رحمی کرو اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاِنۡ تَابُوۡا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخۡوَانُکُمۡ فِی الدِّیۡنِ [التوبة:۱۱]

"اگر یہ لوگ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ دینی بھائی چارہ صرف اس وقت ثابت ہوتا ہے جب توحید کے ساتھ فرائض بھی ادا کیے جائیں۔شرک سے توبہ صرف توحید کو اپنانے سے ہی ممکن ہے۔[تحقیق کلمة الاخلاص ص ۲۰]

امام آجری رحمہ اللہ نے اسلاف میں سے ان کا قول لیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ احادیث فرائض کے نزول سے قبل کی ہیں۔فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص من قال "لا الٰہ الا اللہ" دخل الجنة جیسی احادیث سے دلیل لیتا ہے تو اس کو کہا جائے گا یہ احادیث فرائض کے نزول سے قبل کی ہیں یہ ان علماء کا قول ہے جن کی تعریف اللہ نے کی ہے اور قابل اقتداء ائمہ تھے سوائے مرجئہ کے جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب چھوڑ دیا تھا اور جن سے ہر ملک کے باشندے واقف ہیں۔[الشریعة للآجری: ص ۱۰۲]

ہم نے اہل سنت والجماعت کے جن علماء کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بالاجماع ان احادیث کو ظاہری معنی سے پھیر دیا ہے اوران کا مفہوم جو کچھ بیان کیا ہے، یہ مختلف طرق سے ہے البتہ ان احادیث کو ظاہری معانی سے پھیرنے کی وجوہات میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔اس معاملے میں بہت سے داعیانِ اسلام کے اقوال میں لغزش ہوئی ہے ان کا خیال ہے کہ صرف شہادتین خلود فی النار سے نجات کا ذریعہ ہے ان کو بھی وہی غلط فہمی ہوئی ہے۔ایک بات جو ابن رجب رحمہ اللہ نے کی ہے کہ یہ احادیث فرائض کے نزول سے پہلے کی ہیں مگر یہاں ان سے غلطی ہوئی ہے اس لیے کہ ان احادیث میں سے کچھ احادیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور وہ مدینہ میں ہجرت کے ساتویں سال ایمان لائے جبکہ اس وقت تک بہت سے فرائض نازل ہوگئے تھے۔ کچھ احادیث غزوۂ تبوک کے دور کی ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔مگر یہ بات اتنی مشکل نہیں کہ حل نہ ہوسکے اگر ہم دو باتوں کا لحاظ کریں جو اس بارے میں نہایت اہمیت کی حامل ہیں ان سے ان احادیث کا صحیح مفہوم واضح ہوجائے گا یہ بھی ثابت ہوجائے گا کہ یہ احادیث حق ہیں مگر انہیں صحیح طرح سمجھا نہیں گیا اور نہ ان سے صحیح استدلال ہوا ہے بلکہ تلبیس حق سے کام لیا گیا ہے۔ دو اہم باتیں مندرجہ ذیل ہیں:

① ان احادیث کے ساتھ ساتھ ان دیگر احادیث کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جن میں شفاعت کا ذکر ہے تاکہ یہ احادیث ایک دوسرے کی تشریح کرسکیں اور شہادتین کا وہ اقرار سامنے آسکے جو شریعت میں معتبر ہے۔

② شہادتین کے اقرار کی حقیقت کا اعتبار کیا جائے جن پر شارح نے دخول جنت کی بشارت دی ہے۔

ہم ان دو باتوں کی کچھ تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں:

❶ تمام روایات کو مدنظر رکھنا۔

جب ہم ان احادیث پر نظر ڈالتے ہیں جن میں شارع نے جنت میں داخل ہونے اور جہنم کے حرام ہونے کی بات کی ہے کہ اس کے لیے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنا کافی ہے۔تو ہمیں ان احادیث میں یہ بات نظر آتی ہے کہ کبھی تو ان احادیث میں شہادتین کے اقرار کو جنت کے دخول کا سبب بتایا گیا ہے تو کبھی توحید کو تو کبھی شرک کے خاتمے کو اور یہ باتیں مختلف احادیث میں مذکور ہیں۔ مثلاً:

① حدیث ہے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے یہ چار روایات میں مروی ہے:

❶ پہلی روایت: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔"اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ" کہنا، نماز، زکوٰۃ، حج بیت اللہ اور رمضان کے روزے۔ [مسلم]

❷ دوسری روایت بھی: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے مذکورہ پانچ اشیاء کا ذکر ہے۔[مسلم]

❸ ایک اور سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت ہے۔[مسلم]

❹ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اور سند سے اسی طرح ہے۔[مسلم]

اسی معنی کو ادا کرنے والی دیگر احادیث بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادتین کے اقرار کا مطلب شرک کو ترک کرنا اور ایک اکیلے اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ زبانی اقرار صرف ان امور کی علامت ہوگی۔ ایک اور روایت ہے جو مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا کہ مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں لے جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، فرض نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، اس نے کہا اللہ کی قسم میں نہ اس میں اضافہ کروں گا نہ کمی کروں گا۔ جب وہ چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اہل جنت میں سے کسی کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کو دیکھ لے

② حدیث جبریل علیہ السلام و دیگر تین روایات۔

پہلی روایت: بخاری کی ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا اس نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: تو اللہ پر ایمان لائے اس کے ملائکہ پر اس کے رسولوں پر اس کی ملاقات پر اور آخرت میں اٹھائے جانے پر ایمان لائے۔ اس نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کیا ہے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو ایک اللہ کی عبادت کرے اس

کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، نماز قائم کرے، فرض زکوٰۃ دے، رمضان کے روزے رکھے۔ اس نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت تو اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام تھے لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے۔

دوسری روایت: مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں تمام اوپر کی حدیث والی تفصیل ہے۔ صرف یہ اضافہ ہے کہ قیامت کب آئے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: سوال کرنے والے سے زیادہ وہ بھی نہیں جانتا جس سے سوال کیا گیا۔

تیسری روایت: مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اپنے والد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اس میں بھی تمام وہ باتیں ہیں جو مذکورہ دونوں احادیث میں ہیں۔

③ بنو عبدالقیس کی روایت جو مسلم میں دو طرح مروی ہے۔

پہلی روایت: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا سلام دعا کے بعد انہوں نے کہا کہ ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان قبیلہ کُفّارِ مضر ہے ہم آپ ﷺ کے پاس صرف حرمت والے مہینے میں آسکتے ہیں آپ ہمیں فیصلہ کن باتیں بتائیں کہ ہم انہیں اپنائیں اور پھر دوسروں تک پہنچائیں اور ان کی وجہ سے ہم جنت میں داخل ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں چار باتوں کا حکم کرتا ہوں اور چار باتوں سے روکتا ہوں۔ حکم ان باتوں کا ہے کہ ایک اللہ پر ایمان لاؤ کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ پر ایمان کا کیا معنی ہے؟ وہ ہے "شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ" کا اقرار، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو مالِ غنیمت میں پانچواں حصہ دو۔ چار باتوں سے منع کرتا ہوں کہ جن چار قسم کے برتنوں میں شراب بنتی ہے، کدو کا برتن، سبز مٹکا، درخت کا تنا کریدا ہوا اور تارکول والا برتن، ان کے استعمال سے اجتناب کرو۔ ان باتوں کو یاد کرو اور دوسروں کو بھی ان کی طرف دعوت دو۔

دوسری روایت: مسلم میں قتادہ رحمہ اللہ سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ عبدالقیس کا ایک وفد رسول

اللہ ﷺ کے پاس آیا............ بقیہ وہی باتیں ہیں جو پہلی والی حدیث میں بیان ہوئیں۔

④ معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔

پہلی روایت: مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف بھیجتے وقت فرمایا: تم اہل کتاب کے پاس جارہے ہو انہیں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی دعوت دو اگر وہ اسے مان لیں تو پھر انہیں بتاؤ کہ ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔دوسری روایت میں بھی مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اہل کتاب کی طرف جارہے ہو انہیں سب سے پہلے اللہ کی عبادت کی دعوت دو۔جب وہ اللہ کو پہچان لیں تو انہیں بتاؤ کہ ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔

⑤ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث۔تین روایات سے مروی ہے۔

پہلی روایت: ابوذر رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا اور پھر اسی پر مرگیا وہ جنت میں داخل ہوگا میں نے کہا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو (پھر بھی؟) آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو، اگرچہ ابوذر رضی اللہ عنہ نہ چاہے۔

دوسری روایت: مسند احمد میں ہی ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جارہا تھا احد پہاڑ کو ہم دیکھ رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: اگر احد پہاڑ سونے کا ہوجائے تو میرے پاس تین دن سے زیادہ نہ رہے گا بلکہ میں اسے اللہ کے بندوں میں تقسیم کردوں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام نے آکر کہا کہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو بھی شخص اس حال میں مرجائے کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تیسری روایت: بخاری ومسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اکیلے جاتے ہوئے دیکھا۔آپ ﷺ نے فرمایا: کون؟ میں نے کہا: ابوذر۔آپ نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام نے آکر کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری دیں کہ جو اس حال میں مرگیا کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

⑥ شفاعت کی احادیث:

پہلی روایت: مسلم میں ہے کہ جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اور اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کی جاتی ہے ان کا انکار کیا تو اللہ نے اس کا مال وخون حرام قرار دیا ہے۔اس کا حساب اللہ پر ہے۔

دوسری روایت: مسلم میں ہے جس نے اللہ کو ایک سمجھا اور غیر اللہ کا انکار کیا اس کا مال وخون حرام ہے اس کا حساب اللہ پر ہے۔

تیسری روایت: ابن نمیر رحمہ اللہ سے مسلم میں روایت ہے۔جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہوئے مرجائے وہ جہنم میں جائے گا۔

چوتھی روایت: مسند احمد میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے تو نے جتنی میری عبادت کی ہے اور مجھ سے جتنی امید لگا رکھی ہے میں تجھے معاف کروں گا۔اے میرے بندے اگر تو میرے ساتھ اس حال میں ملاقات کرے کہ ساری زمین تیرے گناہوں سے بھری ہو مگر میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں زمین بھر کر تجھے مغفرت دوں گا۔

پانچویں روایت: مسلم نے بسند جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی شخص مرجائے اور اس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو ان شاء اللہ اس کے لیے مغفرت جائز ہو جائے گی پھر اللہ کی مرضی ہے کہ اسے معاف کرے یا عذاب کرے۔

چھٹی روایت: ابویعلی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے پر مسلسل مغفرت ہوتی ہے جب تک پردہ نہ آجائے کسی نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پردہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔

⑦ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت جب وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر بیٹھے تھے۔

پہلی روایت: مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا معاذ، انہوں نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی شخص ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دیتا ہے اللہ اس پر جہنم کی آگ حرام کردیتا ہے معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دوں؟ تاکہ وہ بھی خوش ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: پھرتو وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ یہ بات معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی موت سے پہلے بتائی تا کہ نہ بتانے کی وجہ سے گناہ گار نہ ہو جائیں۔

دوسری روایت: مسلم میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک گدھے پر بیٹھا تھا جسے عفیر کہا جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا معاذ تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اس شخص کو عذاب نہ کرے جو شرک نہیں کرتا میں نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں یہ خبر لوگوں کو نہ دوں تا کہ وہ خوش ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں مت بتاؤ ورنہ وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہیں گے۔ [1]

ہم نے جس قدر احادیث ذکر کی ہیں وہ اس بات پر دلالت کے لیے کافی ہیں کہ جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرے اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرے اور اللہ کو ایک جانے اس کے غیر کا انکار کرے یہ سب احادیث مترادف ہیں ان میں سے ایک حدیث کو دوسری پر فوقیت نہیں دی جاسکتی۔ ان سب میں ایک ہی طریقے پر تطبیق دی جاسکتی ہے کہ ان احادیث میں

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ انہیں خبر نہ دو ورنہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خدشہ تھا کہ لوگ اس بات کو کسی اور طرح لے لیں گے ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جب کتاب وسنت کا علم نہیں ہوتا تو آیت یا حدیث سے ایسے دلائل لیے جاتے ہیں جو اصول دین اور قواعد کلیہ کے برعکس ہوتے ہیں، احادیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ جس بات کا لوگوں کی عقل ادراک نہیں کرسکتی انہیں وہ بات نہ بتائی جائے جیسا کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم وفضلہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: اگر تم کسی قوم کے سامنے ایسی بات کرو گے جو ان کی عقل سے ماوراء ہو تو ان کی اکثریت فتنے میں مبتلا ہو جائے گی۔ ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ: جب بھی میں نے کسی سے ایسی بات کی جو اس کی عقل سے بڑھکر ہو تو ان کی گمراہی میں ہی اضافہ ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: لوگوں کے سامنے وہ بات کرو جو ان کی سمجھ میں آتی ہو کیا تم چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بتانے سے کیوں منع کیا تھا کہ کہیں لوگ اس کی غلط تاویل نہ کرلیں پھر معاذ رضی اللہ عنہ نے موت سے قبل اس لیے بتا دیا تا کہ علم کو چھپانے گناہ نہ ہو، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ کہتے تھے کہ آیات واحادیث کو صحیح مفہوم کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے جیسا کہ شاطبی رحمہ اللہ نے 'الاعتصام' میں لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ قرآن کلام اللہ ہے اسے صحیح جگہ رکھو اس کے ذریعے اپنی خواہشات کی پیروی مت کرو۔

شہادتین کے اقرار سے مراد صرف لفظی اقرار نہیں ہے بلکہ مراد اللہ کی عبادت اور ترک شرک ہے یعنی توحید کو اپنائے اور غیر اللہ کا انکار کرے۔

جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا[البقرة:٢٥٦]

''جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جس کو ٹوٹنا نہیں ہے۔''

جس نے زبان سے شہادتین کا اقرار کیا مگر شرک کو نہیں چھوڑا تو اس کا یہ اقرار شرعی معنی کے لحاظ سے نہیں ہے اور یہ شخص اسلام میں بھی داخل نہیں ہے۔

اور جو زبان سے شہادتین کا اقرار کرے مگر اللہ کو ایک نہ مانے، یا غیر اللہ کی عبادت کرے تو گویا اس نے شہادتین کا اقرار کیا ہی نہیں بلکہ اصل شرک ہی پر قائم ہے۔لہٰذا شہادتین کے اقرار سے مراد ترک شرک اور دین کفر سے بیزاری کا اظہار ہے۔اگر دین کفر پر قائم رہا، یا شرک اکبر میں سے کوئی عمل کرتا رہا اس نے شہادتین کا اقرار ہی نہیں کیا تو ایسا شخص جہنم میں داخل ہوگا۔اسی لئے فقہاء نے شہادتین کے اقرار کو اسلام میں داخل ہونے کی علامت ونشانی قرار دیا ہے ❶۔ظاہری لحاظ سے تاکہ اس کی بنیاد پر دنیا میں احکام جاری ہوسکیں اس کے لیے شرط ہے کہ شرک میں ملوث نہ ہو یہ ہے اسلام کے لیے حقیقی بنیاد جبکہ شہادتین کا قرار اس (بنیاد) پر دلالت ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے فتح الباری میں ابن حجر رحمہ اللہ کی کہی ہوئی بات ذکر کر چکے ہیں وہ کہتے ہیں: جس نے شہادتین کا اقرار کرلیا اس پر دنیا میں (مسلمان کے) احکام جاری ہوں گے اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ جب تک کہ وہ

---

❶ یعنی یہ اقرار صرف مخصوص حالات میں اسلام پر دلالت کرتا ہے کہ جب یہ اقرار شرک کو چھوڑنے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے پر دلالت کرے ورنہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ ایسے حالات بھی ہیں کہ یہ اقرار کوئی اعتبار نہیں رکھتا اسلام پر دلالت کرنے میں جیسا کہ وہ موحد یہودی تھے جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا مگر وہ کہتے تھے کہ یہ صرف عرب کے لیے نبی ہیں ان یہود کے مسلمان ہونے کے لیے ضروری تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہاں کے لیے نبی تسلیم کرتے۔ یا جیسا کہ کوئی شخص کسی نبی کا یا کسی فرض کا انکار کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس نبی یا فرض کا اقرار کرلے اور یہ اقرار شہادتین کے اقرار کے علاوہ ہوگا تب اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگے گا۔

کوئی ایسا عمل نہ کرلے جو کفر پر دلالت کرتا ہو جیسا کہ بت کے آگے سجدہ کرنا وغیرہ۔[فتح الباری ج ۱ ص ٤٦]
دنیاوی احکام کے لیے شہادتین کا اقرار تب معتبر ہے کہ اس سے یہ ثابت ہو جائے کہ اس شخص نے شرک چھوڑ دیا ہے اور ایک اللہ کی عبادت اختیار کرلی ہے اس پر ظاہری احکام جاری ہوں گے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے شرکیہ امور سے براءت اختیار نہیں کی ہے یا اس نے عملاً کوئی شرکیہ کام کرلیا تو اس وقت پھر اس پر شہادتین کے اقرار کی بنیاد پر اسلام کا حکم نہیں لگے گا اس لیے کہ ایسی صورت میں یہ اقرار اسلام پر دلالت نہیں کرے گا اس لیے کہ اس کے ساتھ کفر مل گیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بات کا یہی مقصد ہے۔

② شہادتین کی حقیقت کا اعتبار؟

اللہ تعالیٰ جب کسی قول پر شرعی حکم مرتب کرتا ہے تو وہ مکمل قول پر کرتا ہے مکمل قول سے مراد کہ وہ قول مقصد اور نیت کے ساتھ ملا ہوا ہو اپنے مدلول اور مقتضاء کو متضمن ہو صرف بے معنی تلفظ نہ ہو ورنہ منافقین بھی شہادتین کے اقرار کی بنا پر مسلمان قرار دیئے جاتے یہ بات اسلام کی تعلیم سے خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُه وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَکٰذِبُوْنَ [المنافقون: ۱]

''جب آپ (ﷺ) کے پاس منافقین آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔'' ❶

---

❶ اگر منافق اپنا نفاق چھپائے رکھتا ہے تو اس پر اسلام کا ہی حکم لگایا جائے گا اور اگر اس نے کفر کا اظہار کر دیا تو وہ لازمی کافر قرار پائے گا نبی ﷺ منافقین کے قتال سے اس لیے رکے رہے کہ تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں[زادالمعاد ج۳ ص ۸] ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کا منافقین کو قتل نہ کرنا اگرچہ ان سے صریح کفر ثابت ہو چکا تھا بعض لوگوں کے لیے دلیل ہے کہ مرتد کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر نبی ﷺ کا منافقین کو قتل نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ لوگوں میں اتحاد و اتفاق برقرار رہے اور دلوں میں الفت موجود رہے ورنہ ان کے قتل سے لوگوں میں نفرت پھیل جاتی جبکہ اسلام کو لوگوں میں مقبول بنانے کی اس وقت ضرورت تھی لہٰذا کوئی ایسا کام نہیں ہونا چاہیے تھا جس سے لوگ متنفر ہو جاتے بڑے فساد کو ختم کرنے کے لیے مصلحت سے کام لینا پڑتا ہے اور یہ قواعد واصول کے مطابق ہی ہوتا ہے یہ حکم نبی ﷺ کی حیات کے ساتھ خاص تھا۔ [زادالمعاد ج۳ ص۱۶]

منافقین کا صرف ظاہری اسلام ثابت ہو چکا تھا کہ وہ شہادتین کا اقرار کر چکے تھے اور شرائع کا التزام کرتے تھے جبکہ ان کا نفاق قرائن سے معلوم ہو رہا تھا جو قرائن ان کے دین کے فساد پر دلالت کرتے تھے اگرچہ ان کے دین کا یہ بگاڑ صریح کفر تک نہیں پہنچا تھا یا کفر ثابت نہیں ہو سکا تھا ورنہ اگر ان کا کفر ثابت ہو جاتا تو ان پر ارتداد کا حکم لگتا۔ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ دین اسلام سے حاصل شدہ معلومات کے خلاف ہے اس لیے کہ منافقین زبان سے اقرار کرنے کے باوجود منکرین شہادتین میں شمار ہوئے اور جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے لہٰذا دل وزبان میں ہم آہنگی ضروری ہے۔ دل کا قول اس اقرار کی معرفت اور تصدیق پر مشتمل ہوتا ہے کہ اس کلمہ میں کس بات کی نفی اور کس بات کا اثبات کیا گیا ہے؟ اس طرح دل کا قول اس حقیقت پر بھی مشتمل ہوتا ہے کہ الوہیت غیر اللہ سے منتفی کر کے صرف ایک اللہ کے لیے ماننی ہے اور اس کا ثبوت غیر کے لیے ناممکن ہے دل کی اس معرفت، علم اور یقین کے ساتھ اس کلمے کا اقرار جہنم کو حرام کرتا ہے۔ جس قول پر شارع نے ثواب مرتب کیا اس قول سے مراد مکمل قول ہے۔[مدارج السالکین ج۱ ص ۳۳۱]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ الفاظ بذاتہ مراد نہیں ہوتے بلکہ ان کے معانی مقصود ہوتے ہیں۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بات کو بہت بلیغ انداز میں بیان کیا ہے کہ الفاظ اس لیے وضع کیے گئے ہیں تا کہ وہ مافی الضمیر پر دلالت کریں۔ اللہ نے بھی بندوں کے لیے الفاظ وضع کیے مقرر کیے ہیں تا کہ وہ ان الفاظ کے ذریعے سے اپنے دل کی بات کا اظہار کر سکیں جب کوئی شخص کسی سے کچھ چاہتا ہے تو اپنا مدعا الفاظ کے ذریعے بیان کر دیتا ہے اپنے مقاصد اور ارادے الفاظ کے ذریعے ظاہر کر دیتا ہے اور ان الفاظ کے معانی پر ہی نتائج مرتب ہوتے ہیں ۔ جب تک کوئی قول یا فعل (مافی الضمیر) کا اظہار نہیں کرتا اس وقت تک باطنی خیالات پر احکام لاگو نہیں ہوتے اور نہ ہی صرف بے معنی الفاظ پر لاگو ہوتے ہیں کہ جن الفاظ کو ادا کرنے والا ان کے معانی سے واقف نہ ہو اور نہ ہی ان کے معانی اس کے مدنظر ہوں، بلکہ امت محمدیہ ﷺ کے لیے تو دل میں آنے والے خیالات معاف کر دیئے گئے ہیں جب تک وہ عمل یا قول سے ان کا اظہار نہ کر دے۔ اور وہ اقوال بھی معاف ہیں جو غلطی یا بھول چوک کی وجہ سے ادا ہوئے ہوں یا زبردستی کہلوائے گئے ہوں۔ یا کسی قول کے مقصد ومعنی سے لاعلم ہوں جب تک کہے ہوئے الفاظ کے معانی مراد نہ لے لیں۔ جب ارادہ اور دلالت قولی یا فعلی جمع ہو جائیں تب اس

پر حکم لاگو ہوتا ہے یہ شرعی قاعدہ ہے۔[اعلام الموقعین ج۳ ص ۱۰۵]

اسی طرح یہ بات بھی واضح ہے کہ اعمال میں نیت اور مقصد معتبر ہے جس قول یا عمل کا کوئی مقصد نہ ہو تو اس کا کوئی معنی و مفہوم بھی نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ کے فرمان کا یہی مقصد ہے:

((انما الاعمال بالنيات))[متفق عليه]

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بات پر بحث کی ہے کہ خرید و فروخت یا دیگر معاھدات میں مقصود کا اعتبار ہوگا صرف بے معنی و بے مقصد الفاظ کا نہیں۔ ہماری ان باتوں سے جو مطلب سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ معاھدات میں مقاصد معتبر ہیں صرف وہ الفاظ نہیں جنکے معانی اور حقائق کا قصد نہ کیا گیا ہو یا ان کے معانی کے علاوہ کوئی اور مقصد سامنے ہو۔[اعلام الموقعین ج۳ ص ۱۱۹]

پھر ابن قیم رحمہ اللہ نے ان معاہدات کی مثالیں دی ہیں جن میں بجائے الفاظ کے قصد اور نیت معتبر ہے کہتے ہیں: یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اسلام کا عہد ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ذریعے سے ہے وہ اس معنی کے لحاظ سے سب سے بہترین اور اعلیٰ عہد ہے اس میں صرف لفظ معتبر نہیں ہے جس میں قصد اور نیت نہ ہو یہی معنی اس توحید کا ہے جس میں ربوبیت کا ایسا اثبات ہو جو اللہ کے لائق ہے اور اللہ کے لیے عبودیت ثابت ہو اور یہ ربوبیت غیر سے منتفی ہو۔

((تیسری فصل))

عصر حاضر کے مرجئہ کی غلط فہمیوں کا ردّ

مرجئہ قدیم ہوں یا جدید، انہوں نے کچھ غلط فہمیاں پیدا کی ہیں کچھ شبہات پھیلائے ہیں جن پر ان کا اعتقاد ہے اور ہماری بیان کردہ مذکورہ تفصیلات سے یہ شبہات قابل گرفت ہیں ہماری بیان کردہ تفصیلات یہ ہیں کہ شہادتین کے صرف زبانی تلفظ سے اسلام ثابت نہیں ہوتا جب تک یہ اقرار ترک شرک اور کفر یہ مذہب سے براء ت پر دلالت نہ کرے۔ اسلام کا مقصود اول ایک اللہ کی عبادت اور شرک کا ترک ہے اسلام یہ نہیں کہ بغیر کسی مقصد اور معنی کے کچھ الفاظ زبان سے ادا کیے جائیں۔ مرجئہ نے جن شبہات کو ہوا دی ہے ان کے ثبوت یا دلیل کے طور پر وہ کچھ واقعات پیش کرتے ہیں مثلاً ابوطالب کا واقعہ، معاویہ بن الحکم کی لونڈی کا قصہ، نجاشی کا واقعہ اور آل فرعون میں سے ایک مؤمن کا قصہ، ان شبہات کی تفصیلی تردید سے پہلے ہم ایک قاعدہ ذکر کرنا چاہتے ہیں جب وہ قاعدہ یا اصول سمجھ میں آجائے گا تو شریعت کے مجموعے سے بہت سی جزئیات اس ضمن میں آجائیں گی اور ان کے ملنے سے یہ ایک معنی یا ایک اصول بن جائے گا جو عموم کا قائم مقام ہوگا اب اگر اس میں کوئی جزئی چیز داخل نہ ہوسکی تو کوئی معیوب بات نہیں۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی اصول کتاب وسنت یا شریعت کے دیگر دلائل سے ثابت ہوجائے تو پھر اس اصول شریعت کا کسی جزء شریعت کے ساتھ تعارض ممکن نہیں رہتا ایسا جزء جو کسی معین نص میں آچکا ہو۔ اس لیے کہ نصوص کثیرہ کا ایک نص سے تعارض شرعاً وعقلاً صحیح نہیں ہے۔ البتہ کسی خاص قضیہ یا نص معین کا شریعت کے ثابت شدہ کلی اصول سے معارض ہونا اس کلی اصول کے لئے معیوب نہیں ہوتا۔ اصول فقہ کے ائمہ نے یہ مسئلہ عموم خصوص کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے خصوصاً امام شاطبی رحمہ اللہ نے الموافقات میں اسے بہت بہتر طریقے سے واضح کیا ہے۔ 'قضایا الاعیان' یہ قضیے ہوتے ہیں جو بظاہر مطلق یا عام قاعدے سے معارض ہوں۔ یہ قاعدہ چاہے نص عام کے طریق سے ثابت ہو یا جزئی ثبوت سے۔ عموم کے ثبوت سے متعلق امام شاطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عموم جب ثابت ہوجائے تو ضروری نہیں کہ وہ صرف عموم کے صیغے سے ثابت ہو بلکہ اس کے دو طریقے ہیں:

① جب (عموم) کے صیغے وارد ہوں اور اصولیین کے کلام میں یہ مشہور ہے۔

② معنی کے مواقع کی تلاش سے، یہاں تک کہ ذہن میں یہ عام کلی امر حاصل ہو سکے اور یہ حکم کے لحاظ سے عموم کے قائم مقام ہو (اس عموم کے قائم مقام) جو صیغے سے حاصل ہو۔[الموافقات ج ۳ ص ۲۹۸]

امام شاطبی رحمہ اللہ 'قضایا الاعیان' کا قاعدہ ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب عام قاعدہ ثابت ہو یا مطلق تو پھر قضایا الاعیان یا حکایات الاحوال اس کے معارض نہیں ہو سکتے۔ اس کی دلیل چند امور ہیں:

① ہر قاعدہ، قطعی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ہم اصول قطعی کلی میں بحث کر رہے ہیں اور قضایا الاعیان (انفرادی واقعات) ظنی یا متوہم ہیں جبکہ ظنی قطعی کے مقابل یا معارض نہیں ہو سکتے۔

② قاعدہ میں احتمالات نہیں ہوتے اس لیے کہ اس کی بنیاد ادلۃ قطعیہ پر ہوتی ہے جبکہ قضایا الاعیان (انفرادی واقعات) محتمل ہوتے ہیں یعنی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے نہ ہوں جیسے بظاہر نظر آ رہے ہیں یا ظاہری طور پر ہوں مگر وہ اس اصول سے مستثنیٰ ہوں ایسی صورت میں کلی اصول کا ابطال ممکن نہیں ہوگا۔

③ قضایا الاعیان (انفرادی واقعات) جزئی ہیں اور مشہور قواعد کلی ہیں اور جزئی کبھی کلی کے معارض نہیں ہوتے۔ اسی لیے کلیات کے احکام جزئیات میں جاری ہوتے ہیں اگرچہ ان (جزئیات) میں کلی کا معنی خصوصی طور پر ظاہر بھی نہ ہو۔ جیسا کہ سفر کا مسئلہ ہے جو متکبر بادشاہ کی طرف کیا جا رہا ہو یا غنی کی نسبت صاحب زکوٰۃ کی طرف حالانکہ نصاب اسے غنی نہیں کرتا اس کے برعکس کوئی غیر نصاب والا کہ وہ اس (دولت) کی وجہ سے غنی ہوتا ہے۔

④ اگر (جزئیات کلیات کے ساتھ) معارض ہوں تو اس کی تین صورتیں ہوگی۔ یا دونوں پر عمل ہوگا یا دونوں کے مہمل چھوڑا جائے گا۔ یا ایک پر عمل ہوگا دوسرے پر نہیں ہوگا۔ دونوں پر عمل یا دونوں کو مہمل کر دینا دونوں باتیں باطل ہیں اس لیے کہ یہ قطعی و ظنی معارضین پر عمل کرنا ہوگا۔ اور اگر جزئی پر عمل ہوگا تو یہ کلی پر جزئی کو ترجیح دینا ہوگا جو کہ خلاف اصول ہے۔ لہٰذا اب صرف تیسری صورت رہ گئی اور وہ ہے جزئی کے بجائے کلی پر عمل کرنا اور یہی مقصود ہے۔[الموافقات ج۳ ص ۲۶۱-۲۶۲]

اس مقصد کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب امر کلی ثابت ہو جاتا ہے تو اس کلی کے مقتضی سے بعض

جزئیات کا اخراج اس کلی کو کلی ہونے سے نہیں روک سکتا۔اور غالب واکثر والاحکم شریعت میں عام قطعی کی طرح معتبر ہے اس لیے کہ اس کے مخالف جزئیات مل کر ایسی کلی نہیں بن سکتیں جو اس کلی کے معارض بن جائیں کہتے ہیں: جب بات اس طرح ہے تو استقرائیات میں یہ کلیہ صحیح ہے اگرچہ اس کے مقتضا سے بعض جزئیات خارج ہوجائیں یہ کسی ایسے حکم کی وجہ سے ہوتا ہے جو کلی کے مقتضا سے خارج ہے۔تو وہ سرے سے اس کلی کے تحت داخل ہی نہیں ہوتا یا داخل ہوتا ہے مگر اس کا دخول ہمارے سامنے ظاہر نہیں ہوتا یا ہمارے نزدیک داخل تو ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ خصوصی معارضت میں کیا چیز اولیٰ ہے؟ متکبر یا خوشحال بادشاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس پر سختی یا مشقت ڈال دی جائے مگر اس پر حکم نہیں لگا سکتے اس لیے کہ یہ مسئلہ خفی ہے۔یا ہم ان سزاؤں کے بارے میں کہ جن کے دیئے جانے سے بھی مجرم جرم سے نہیں رکتا، ہم کہتے ہیں کہ سزا کی مصلحت صرف جرم سے روکنا ہی نہیں بلکہ اس لیے بھی کہ یہ (سزائیں) کفارہ ہیں۔اس لیے کہ حدود کفارات ہیں اگرچہ یہ مفاسد کو روکنے کے مانع کا کام بھی کرتے ہیں۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب کلیات مصلحتوں کے لیے وضع کیے جاتے ہیں تو جزئیات کسی بھی لحاظ سے ان کے معارض نہیں ہوسکتے۔[الموافقات: ج ۲ ص ۵۳]

اس تفصیل کے بعد اب ہم مرجئہ کے پھیلائے ہوئے کچھ شبہات کا ردّ پیش کرتے ہیں جو کہ بعض قضایاالاعیان (انفرادی واقعات) کی وجہ سے ہیں مثلاً:

① ابوطالب کا ایمان

② معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کی لونڈی کا معاملہ

③ آل فرعون کے مؤمن کا ایمان

④ نجاشی کا ایمان

① ابوطالب کا ایمان:

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجنائز میں مسیّب بن حزن رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب ابوطالب کی موت کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے وہاں ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن ابی امیہ ابن

المغیرہ کو موجود پایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب سے کہا کہ چچا جان ''لا الٰہ الا اللہ'' کلمہ پڑھ لیں اللہ کے ہاں آپ کی گواہی دوں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ اس پر دین پیش کرتے رہے اور وہ دونوں یہی بات دہراتے رہے یہاں تک کہ ابوطالب نے جو آخری بات کی وہ یہ کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنے سے انکار کردیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہیں کیا جاتا تو اللہ نے آیت نازل کی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ [التوبة:١١٣]

''نبی (ﷺ) اور مؤمنوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں۔''

موجودہ دور کے مبتدعین اس واقع کو بنیاد بنا کر کہتے ہیں کہ اسلام صرف کلمے کا نام ہے اور کلمہ جہنم سے نجات دیتا ہے یا جہنم میں ہمیشہ رہنے سے نجات دیتا ہے۔ اس کے لیے کلمہ ہی کافی ہے اور جو اس کے ساتھ دیگر امور کو ثابت کرتے ہیں ان کے خیال میں وہ خوارج ہیں۔

امام حمیدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے وکیع رحمہ اللہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ اہل سنت کہتے ہیں: ایمان قول وعمل کا نام ہے۔ مرجئہ کہتے ہیں: ایمان قول کا نام ہے۔ جہمیہ کہتے ہیں: کہ ایمان معرفت کا نام ہے ان سے ایک اور روایت ہے کہ یہ کفر ہے۔ [کتاب الایمان لابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ٢٦٤]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے دلائل سے انہیں شکست دی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ اقرار سے آدمی مؤمن ہوجاتا ہے تو پھر لازم آئے گا کہ ایک شخص زکوٰۃ کا اقرار کرتا ہے مگر وہ دوسو درہم میں سے پانچ درہم نہیں دیتا اور وہ مؤمن ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص اقرار کرتا ہے پھر زنار (مجوسیوں کا شعار) پہنتا ہے صلیب گلے میں ڈالتا ہے کلیسا اور بیع میں بھی جاتا ہے تمام گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے چونکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی ذات کا اقرار بھی کرتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ پھر بھی مؤمن ہو۔ یہ ان کی بدترین بات ہے۔ [کتاب الایمان لابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ٣٤٩]

پھر تو کلمہ کا اقرار اس صورت میں بھی نجات دلانے والا ہوگا، کہ اقرار کے ساتھ بتوں کی عبادت بھی

کرے، تیروں کے ذریعے قسمت معلوم کرے، لات وعزیٰ کے لیے نذریں مانیں، بتوں سے برکت تلاش کرکے ان کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتا ہو۔اس بات میں اختلاف ہے کہ الفاظ ''بذاتہٖ'' مراد ہیں یا ان کے معانی مراد ہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ الفاظ ''بذاتہٖ'' مراد ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ جس نے کلمۂ توحید ''لاالٰہ الااللہ'' کہہ دیا تو وہ لفظ کے مقتضیٰ سے نہیں نکلے گا باوجود یکہ وہ شرک پر قائم ہو، مصیبت کے وقت کاہنوں کے پاس جائے، بتوں کی پرستش کرے، مشرکین کا سا کام کرتا رہے۔ یہ قرآن کی صریح تکذیب ہے ۔معلوم ہوا کہ الفاظ سے مراد ان کے معانی ہیں۔کلمہ کا مطلب ہے اسماء وصفات پر مشتمل، توحید قصد اور ارادہ و عمل کی توحید یعنی توحید ربوبیت توحید الوہیت اور شرک کو مکمل طور پر چھوڑنا بھی لازمی ہے خواہ شرک ربوبیت میں ہو یا الوہیت میں، اور اللہ کو عبادت میں ایک ماننا، قربانی، دوستی، فیصلے وغیرہ میں ایک اللہ کی طرف رجوع کرنا، عمل کا ترک کرنا بھی عمل ہے (یہ اصولی قاعدہ ہے) قول کے ساتھ عمل ضروری ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ سے جب اسلام کے بارے میں سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم کہو کہ میں اسلام لایا اور پھر باقی (خلاف اسلام) کام چھوڑ دو اس طرح کی باتیں نصوص میں بہت ہیں جب اصل مسئلہ پہلے اسلام کا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے لفظی طور پر حل کیا اگرچہ معنوی لحاظ سے بھی یہ مکمل طور واضح تھا۔مگر جسے اللہ گمراہ کردے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے اقوال اس طرح ہیں: ① جس نے ''لاالٰہ الااللہ'' کہا اور اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کی جاتی ہے ان سب کا انکار کیا تو اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔

② جس نے اللہ کو ایک جانا اور اس کے علاوہ جن کی عبادت ہوتی ہے ان سے انکار کیا تو اس کی جان و مال محفوظ ہے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ [التوبة:٥]

''اگر یہ توبہ کرلیں نماز قائم کریں زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔''

دوسری جگہ فرمان ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ [التوبة:١١]

''اگر یہ توبہ کر لیں نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔''

یعنی شرائع کی پابندی کریں (تو تمہاری طرح دین میں داخل ہیں) محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس کے ظاہری اعمال اسلام والے ہوں مگر ایمان بالغیب اس کے عقیدے میں نہ ہو تو وہ ایسا منافق ہے جو ملت سے خارج ہے اور جس کا عقیدہ ایمان بالغیب کا ہو مگر احکام ایمان اور اسلامی شرائع پر عمل نہ کرتا ہو تو وہ ایسا کافر ہے کہ اس کے کفر کے ساتھ توحید ثابت نہیں ہو سکتی (یعنی اس کا کفر توحید کی راہ میں رکاوٹ ہے) [کتاب الایمان لابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ۲۸۶]

سہل بن عبداللہ التستری رحمہ اللہ ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ: ایمان قول، عمل، نیت اور سنت کا نام ہے۔ اس لیے کہ اگر ایمان قول بلا عمل ہو تو یہ کفر ہے اور اگر قول و عمل بغیر نیت کے ہو تو یہ نفاق ہے۔ اور اگر قول و عمل اور نیت بلا سنت کے ہو تو یہ بدعت ہے۔ [کتاب الایمان ص ۱۴۷]

ابوطالب کے بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابوطالب وغیرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمے کی بلندی چاہتے تھے ان کو حسد نہیں تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت سے آگاہ تھے مگر وہ سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنے سے انہیں اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑنا ہوگا۔ اور قریش کے طعن و تشنیع کا نشانہ بھی بننا پڑے گا، تو وہ باپ دادا کے دین کو چھوڑنے اور مذمت کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر سکے لہٰذا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان عدم علم کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی خواہشات کی پیروی کی وجہ سے نہیں لائے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہر کافر اللہ کے بارے میں عدم علم کی وجہ سے کفر کرتا ہے۔ [کتاب الایمان ص ۱۴۷]

ابن قیم رحمہ اللہ کا قول زادالمعاد کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ کسی اہل کتاب کا ہن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ نبی ہیں اس اہل کتاب کو اسلام میں داخل نہیں کرتا جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری نہ کرے۔ [زادالمعاد ج ۳ ص ۴۲]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و حمایت کی اور یہ مدد و حمایت دس سال تک کی وہ ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی حقانیت سے واقف تھا، وہ جانتا تھا کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی دعوت دراصل بت پرستی کو منہدم کرنے والی دعوت ہے اور اس کی جگہ لینے والا یہ کلمہ ہے اس طرح تمام اختیارات صرف ایک

اللہ کی طرف منسوب و منتقل ہونے کی دعوت ہے۔ دعا، توکل، امید، خوف، شعائر صرف ایک اللہ کے لیے براہ راست ہوں گے بتوں کے لیے ان میں سے کچھ نہیں ہوگا دوستی اور محبت صرف ایک اللہ کے ساتھ ایک اللہ کے لیے ہوں۔ تحاکم (فیصلہ کے لئے رجوع کرنا) صرف اللہ کی طرف ہوگا تشریع (قانون سازی) کا اختیار صرف اللہ کو ہوگا۔ یہ اللہ کا وہ حق ہے جو بت پرستوں نے اللہ کے بجائے بتوں کو دیدیا تھا ابو طالب سمجھ گیا تھا کہ یہ تمام معانی و مطالب اس کلمے کے تقاضے میں شامل ہیں۔ جو محمد ﷺ لے کر آئے ہیں وہ یہ سمجھتا تھا کہ محمد ﷺ ایک مکمل نظام لے کر آئے ہیں جو اس کفریہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ دے گا جس میں یہ لوگ زندگی گذار رہے ہیں جس کی بنیاد شرک باللہ پر ہے ابو طالب نے کلمہ سے انکار کر کے گویا اس پورے نظام کو ترک کیا صرف لفظی کلمہ کا انکار نہیں تھا جس کا کوئی مقصد نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ ابو طالب سے جس چیز کا مطالبہ کر رہے تھے وہ تھا شرک کو چھوڑنا غیر اللہ کی عبادت کو ترک کر دینا۔ اور اللہ کے پاس عبد المطلب کا پیروکار بن کر جانے کے بجائے اسلام کا متبع بن کر جائے۔ سیدنا ابراہیم و محمد علیہما السلام کے دین کا تابع بن کر جائے۔ ایک اللہ کی عبادت اور اللہ کی شریعت کو اپنائے۔ اس کے سوا سب کو چھوڑ دے اس کے ساتھ ساتھ توحید و رسالت کا اقرار کرے یہ ایسی چیزیں ہیں جن کے لیے نہ کوئی وقت مقرر ہے نہ حالات رکاوٹ بن سکتے ہیں نہ کوئی رکاوٹ ہے یہ چیزیں ایسی نہیں کہ فروع میں پائی جائیں اور اصول میں نہ ہوں۔ کیا یہی وہ کلمہ نہیں تھا جس کی طرف محمد ﷺ نے اہل کتاب کو دعوت دی تھی کہ:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ [آل عمران: ۶۴]

”(اے محمد ﷺ) کہہ دو اے اہل کتاب! آؤ اس کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، ایک دوسرے کو اللہ کے علاوہ ربّ نہ بنائیں، اگر یہ لوگ (توحید) سے پھر جائیں تو ان سے کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ یہ کلمہ عہد و میثاق ہے اللہ کے ساتھ اس کی توحید کے اقرار کا، شرک کو ترک کرنے کا، اور عبودیت صرف ایک اللہ کے لیے اختیار کرنے کا۔

۲ معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ کی لونڈی کا معاملہ؟

معقل بن عبید اللہ العنسی کہتے ہیں: میں نے حکم بن عتبہ رحمہ اللہ سے ملاقات کر کے ان سے کہا عبدالکریم اور میمون کو یہ بات پہنچی ہے کہ آپ کے پاس مرجئہ کے کچھ لوگ آئے تھے اور انہوں نے اپنی بات آپ پر پیش کی تو آپ نے مان لی؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ بات عبدالکریم اور میمون کے توسط سے کہی گئی ہے؟۔ میرے پاس مرجئہ کے بارہ (۱۲) آدمی آئے جب میں بیمار تھا انہوں نے کہا کہ ابو محمد! کیا آپ کو یہ واقعہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی (معاویہ بن الحکم) سیاہ فام لونڈی لے کر آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ پر ایک مؤمن غلام یا لونڈی آزاد کرنا ضروری ہو گیا ہے (کفارہ کے طور پر) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں کہ یہ لونڈی مؤمنہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی سے پوچھا کیا تم ''لا الٰہ الا اللہ'' کی گواہی دیتی ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم یہ گواہی دیتی ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتی ہو کہ جنت اور جہنم حق ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم گواہی دیتی ہو کہ اللہ تمہیں مرنے کے بعد اٹھائے گا؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے آزاد کر دو یہ مؤمنہ ہے۔ وہ (۱۲ آدمی مرجئہ) میرے پاس سے چلے گئے اور اس بات کو مذہب کے طور پر اپنایا۔ [الایمان ابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ۱۷۵-۱۷۶]

ایک اور روایت میں ہے کہ اس لونڈی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ مؤمنہ ہے۔ یہ واقعہ دراصل اس کفارے سے متعلق تھا جس میں غلام یا لونڈی کو آزاد کیا جاتا ہے کہ کون سی لونڈی یا غلام کو آزاد کرنا کافی ہوگا؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ قرآن میں کفارات میں غلام آزاد کرنے کا جہاں ذکر آیا وہاں مؤمن کا لفظ مذکور ہے فقہاء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ چھوٹا بچہ آزاد کرنا بھی کافی ہے؟ اس میں سلف کے دو قول ہیں دونوں احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہیں۔ کسی

نے کہا کہ بچے کا آزاد کرنا کافی نہیں ہے اس لیے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے جبکہ بچہ خود مؤمن نہیں ہوتا بلکہ اس کا ایمان اس کے والدین کے تابع ہوتا ہے دنیاوی احکام میں کسی نے یہ شرط نہیں لگائی کہ یہ معلوم کیا جائے کہ وہ باطن میں مؤمن ہے یا نہیں؟ کسی نے کہا کہ بچے کا آزاد کرنا کافی ہے اس لیے کہ آزاد کرنا احکامِ ظاہری میں سے ہے اور بچہ ماں باپ کے تابع ہوتا ہے جیسا کہ وہ ان کا وارث بنتا ہے اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے جبکہ نماز جنازہ مؤمن کی ہی پڑھی جاتی ہے لٰہذا بچے کو آزاد کرنا کافی ہے یہ (لونڈی کا واقعہ) بھی قضیہ عین ہے جو قواعد کلیہ کے مقتضیٰ پر پورا اترتا ہے، قصہ میں یہ نہیں ہے کہ یہ شروع اسلام کا واقعہ تھا نہ اس میں یہ ہے کہ جب اس لڑکی نے ان باتوں کا اقرار کیا تو وہ دیگر مسلمانوں کی طرح اسلام میں داخل نہیں ہوئی۔ یا وہ دیگر مسلمانوں کی طرح فعل میں داخل نہیں ہوئی۔ قصہ اس لیے بیان ہوا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کس قدر ایمان (غلام یا لونڈی کے لیے) کافی ہے کہ اسے آزاد کیا جا سکے، ہر حالت میں قضایا الاعیان (انفرادی واقعات) ہمیشہ اپنے ہم صورت وہم شکل اور مشابہ کے ساتھ مربوط کیے جاتے ہیں اور ملائے جاتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ حدیث رسول اللہ ﷺ چاہے اس واقعہ سے متعلق ہو یا کسی اور سے ہو اس میں عیب نکالیں جائیں اس پر نکتہ چینی کی جائے قواعد واصول کے بارے میں۔ اسی لیے ثمامہ بن اثال کو قید کرنے پر بھی تنقید نہیں کی گئی ہے جب انہیں مسجد کے ستونوں سے باندھا گیا حالانکہ مشرکین کا مسجد میں داخلہ عموماً منع ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس لونڈی سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے کہا آسمان میں متکلمین نے خود اس سوال پر اعتراض کیا ہے بلکہ اسے ردّ کیا ہے مثلاً معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ ہے۔ اشاعرہ کہتے ہیں (اللہ) نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج، سلف رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں: اللہ آسمان میں اپنے عرش پر ہے، جبکہ یہ سب فرقے ''لا الہ الا اللہ'' کی گواہی دیتے ہیں۔ ❶ اگر لفظ سے اسلام ثابت ہوتا تو عباس رضی اللہ عنہ کو مسلمان شمار کر لیا جاتا جب رسول اللہ ﷺ کو اس نے کہا تھا بے شک میں مسلمان ہوں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو صرف قول کی

---

❶ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے کہ یہ جو اہل سنت کے مخالفین ہیں جو ایمان صرف قول کو کہتے ہیں اور اس کے لیے وہ حدیث کے ظاہر پر اعتماد کرتے ہیں انہوں نے لونڈی والے قول میں تاویل کی ہے جب اس نے کہا کہ اللہ آسمان میں ہے اور اس کو ظاہر سے پھیر دیا جبکہ اہل سنت اس کے ظاہر کو مانتے ہیں وہ اللہ کو آسمانوں کے اوپر عرش پر مانتے ہیں مخلوق سے الگ۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ آسمانوں میں ہے تو یہ بات سرے سے یہ لوگ مانتے ہی نہیں تو اس پر ایمان کو کیسے صحیح تسلیم کرتے ہیں؟

وجہ سے مسلمان نہیں سمجھا۔اس طرح ان لوگوں کو بھی مسلمان تسلیم کرلیا جاتا جنہوں نے مکے میں اسلام کا اقرار کیا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مشرکین کے سامنے زبانی طور پر مسلمان ہونے کی بات کرتے تھے۔اسی طرح جن لوگوں نے کہا تھا۔صبأ نا اس وقت ان کے قول کی وجہ سے ان کے مسلمان ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔اس بات میں اور لونڈی کی بات میں کوئی فرق نہیں ہے قضایا الاعیان (انفرادی واقعات) محل بیان نہیں ہیں یہاں تک کہ یوں کہا جائے ہے کہ بیان کے وقت بیان نہ کرنا عدم بیان ہوتا ہے جبکہ قواعد نے بیان کی ذمہ داری لی ہے۔

③ نجاشی کا ایمان:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کتاب الایمان میں کہتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ ایک شخص ظاہری و باطنی گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اس سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا اور وہاں کوئی ڈر خوف بھی رکاوٹ نہیں ہے وہ پھر بھی اس سے رک گیا یہاں تک کہ قتل ہو گیا۔تو یہ کہنا ممکن نہیں کہ یہ دل میں گواہی دیتا تھا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قول ظاہر ہی وہ ایمان ہے جس کے بغیر نجات ممکن نہیں یہ تمام سلف وخلف کے نزدیک ہے سوائے جہمیہ کے۔اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ (شہادتین کے اظہار سے) معذور ہے اس لیے کہ یا تو وہ گونگا ہے یا اس بات سے خوفزدہ ہے کہ اگر اس نے اسلام کا اظہار کرلیا تو اس کی قوم اسے تکلیفیں دے گی وغیرہ تو ممکن ہے کہ وہ ظاہری اقرار نہ کرے البتہ اس کے دل میں ایمان ہو۔جیسا کہ کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جانے والا شخص ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَ قَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ وَلٰكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ [النحل:١٠٦]

''جو مجبور کردیا گیا (کلمہ کفر کہنے پر) جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا (تو وہ گناہ گار نہیں) البتہ جس نے شرح صدر کرلیا کفر کے ساتھ تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔''

یہ آیت جہم کے قول کے بطلان پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ اس آیت نے ہر اس شخص کو جو کفریہ کلمہ منہ سے نکالے اس کو کافر کہا ہے جبکہ: ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ: ﴿وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا﴾ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پہلی والی بات کے موافق ہے یعنی جس نے بغیر اکراہ کے کلمہ کفر کہہ دیا تو اس نے کفر کے لیے سینہ کھول دیا (شرح صدر کرلیا) اگر اس طرح نہ کہا جائے تو آیت کے پہلے اور آخری حصے میں تناقض آ جائے گا۔ اگر مراد یہ ہو کہ جس نے کفر کیا تو اس نے شرح صدر کرلیا اور یہ بلا اکراہ کے ہوا تو پھر صرف مجبور مستثنیٰ نہیں ہوا بلکہ پھر ہونا یہ چاہیے کہ مجبور و غیر مجبور دونوں مستثنیٰ ہوں جب وہ شرح صدر نہ کفر کریں اور جب وہ خوشی سے کفر کرلیں تو یہ شرح صدر کے ساتھ ہے اور یہ کفر ہے۔

[الایمان ص ۱۸۸]

اس لیے بعض لوگ کہتے ہیں کہ نجاشی کے اسلام کی گواہی رسول اللہ ﷺ نے دی تھی۔ حالانکہ وہ حبشہ میں نظام کفر و تثلیث (عیسائیت) کا سربراہ تھا اور اس نے ملک ہاتھ سے جانے کے خوف سے اسلام کا قطعی اعتراف نہیں کیا تھا بلکہ اشارۃً کہا تھا جس سے رسول اللہ ﷺ نے اس کا ایمان معلوم کرلیا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ:

① اس بارے میں انہوں نے ابن ہشام کی روایت پر اعتماد کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ اہل حبشہ نجاشی کے خلاف ہوگئے تھے اور کہنے لگے کہ تم ہمارے دین سے نکل گئے ہو تم عیسیٰ علیہ السلام کو بندہ کہتے ہو؟ نجاشی نے اپنی قوم سے کہا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو انہوں نے کہا وہ اللہ کا بیٹا ہے۔ نجاشی نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر اپنی قبا پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں یعنی جو کچھ ان کی قبا میں لکھا ہے جبکہ اس نے اپنی قبا میں لکھا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام اللہ کا بندہ اس کا رسول اس کی روح اور کلمہ ہے جو مریم کی طرف ڈالا گیا ہے۔ وہ لوگ راضی ہوگئے اور واپس چلے گئے یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی ۔جب نجاشی کا انتقال ہوا تو نبی ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لیے استغفار کیا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے جعفر بن محمد رحمہ اللہ سے جو روایت کی اس میں وقت نہیں بتایا گیا کہ شاید وہ ابتدا میں تھا۔ تاکہ یہ اس روایت کے موافق ہوجائے جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حبشہ کے ایک آدمی نے بغاوت کی تھی مگر ام سلمہ

رضی اللہ عنہا کی روایت میں نجاشی کے اسلام کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ البتہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو غزوہ خندق کے بعد بھیجا تھا اس کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے تو نجاشی نے عمرو کو بتایا کہ میں جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکا ہوں۔ یہ عمرو رضی اللہ عنہ کا نجاشی کی طرف پہلی مرتبہ بھیجا جانا نہیں بلکہ آخری مرتبہ کا ہے۔ پہلی مرتبہ جانا غزوۂ بدر کے بعد تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ نجاشی کا مسلمان ہونا غزوۂ بدر و خندق کے درمیان تھا۔ عمرو جعفر رضی اللہ عنہم اور دیگر جو لوگ حبشہ میں تھے وہ فتح خیبر کے بعد واپس آئے۔ یہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہتی ہیں: جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے " کھیعص " کی ابتدائی آیات تلاوت کیں تو وہ رویا یہاں تک کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی اس کے درباری بھی روئے جب انہوں نے سنا کہ ان پر کیا تلاوت کیا گیا ہے۔ پھر نجاشی نے کہا اللہ کی قسم یہ اور جو عیسیٰ لائے تھے دونوں ایک ہی طاق سے ہیں تم دونوں جاؤ میں انہیں تمہارے حوالے نہیں کروں گا اور نہ یہ ممکن ہے۔ یہ عمرو بن العاص کی حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت کے بعد پہلی ملاقات تھی اور مدینہ کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل تھی۔ انہی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہتی ہیں: جب یہ لوگ اس کے پاس گئے تو اس نے کہا تم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کہتی ہیں کہ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس لائے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول روح اور بندے ہیں اور کلمہ ہے جو مریم کی طرف القا کیا گیا وہ مریم جو شریف اور کنواری تھی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا پھر کہا جو کچھ تم نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اس سے تنکے کے برابر زیادہ نہیں ہیں جب اس نے یہ کہا تو وہاں بیٹھے ہوئے فوجی جرنیل غراتے ہوئے اس کے گرد جمع ہو گئے اس نے پھر بھی کہا تم (مسلمان) لوگ جاؤ میرے ملک میں تم محفوظ ہو پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حبشہ میں ایک آدمی نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اس سے حکومت چھیننا چاہتا تھا نجاشی نے اس پر غلبہ پایا اس کی حکومت مضبوط ہوئی اور اللہ نے اسے حبشہ میں قوت عطا کر دی۔ پھر کہتی ہیں کہ ہم اس کے پاس بہت اچھی حالت میں رہے یہاں تک کہ ہم واپس مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے ایک سال بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر ان کا شوہر فوت ہو گیا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی شوال ۴ھ ہجری میں۔ [سیرت ابن ھشام ج ۱ ص ۳۳٤ تا ۳۳۸]

② لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى [المائدة:٨٢]

''آپ مؤمنوں کے بدترین دشمن یہود اور مشرکین کو پائیں گے اور مؤمنوں سے دوستی کرنے والے ان کو پائیں گے جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: یہ آیت نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب مسلمان پہلی ہجرت میں ان کے پاس گئے تھے۔ سیرۃ ابن اسحاق وغیرہ میں اسی طرح مشہور ہے۔ مسلمان مشرکوں کے خوف سے گئے تھے اس لیے کہ مسلمان کم تعداد میں تھے پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو نجاشی تک پہنچنا یا ان سے رابطہ ممکن نہ رہا کہ جنگیں بیچ میں حائل ہو گئیں پھر جب بدر کی جنگ میں کفار کے سردار مارے گئے تو کفار قریش نے آپس میں کہا کہ تمہارا انتقام حبشہ کی زمین میں ہے نجاشی کے پاس تحفے بھیجو اور دو صاحبان رائے افراد بھیجو تاکہ وہ اپنی فوج ہمیں دیدے تو ان کے ذریعے سے ہم بدر کا بدلہ لے لیں گے کفار قریش نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو تحفے دے کر بھیجا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو خط دے کر بھیجا انہوں نے نجاشی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا پھر اس نے جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مہاجرین کو بھی بلا لیا اور رہبان اور علماء کو جمع کیا اور جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان کے سامنے قرآن پڑھو۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم پڑھی تو وہ سب کھڑے ہو گئے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ان کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی ﴿ ولتجدن اقربهم مودة.........﴾ [قرطبی ج ٦ ص ٢٥٥، ابو داؤد]

③ زاد المعاد ج ۳ ص ۶۰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کو خط لکھنے کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو خط دے کر بھیجا تو ابن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا کہ عمرو نے نجاشی سے کہا کہ میں بات کروں گا آپ وہ سنیں۔ آپ ہمارے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں اور ہم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اس لیے کہ ہم نے جب بھی آپ سے بھلائی کی امید رکھی وہ ہمیں مل گئی اور ہم کو اگر آپ سے کسی معاملے میں اندیشہ محسوس ہوا تو اس اندیشے سے ہم محفوظ رہے ہمارے اور آپ کے درمیان انجیل ایسا فیصلہ کرنے والی ہے جو ظلم نہیں کرتی اور جسے ردّ نہیں کیا

جاسکتا اور اس بارے میں تحقیق وتفصیل کی ضرورت ہے ورنہ آپ بھی اس امی نبی کے بارے میں ایسے ہوں گے جیسے یہود، عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس نبی ﷺ نے اپنے نمائندے مختلف لوگوں کے پاس بھیجے مگر آپ سے جتنی امید ہے وہ دوسروں سے نہیں آپ ہم سے جتنے امن کے ساتھ ملے کسی اور کے بارے میں مجھے اندیشہ اور خوف ہے میں بہتر جواب کی توقع رکھتا ہوں نجاشی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ امی نبی وہی ہیں جس کا اہل کتاب کو انتظار تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی گدھے سوار کی بشارت دی تھی جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اونٹ سوار کی بشارت دی ہے اس آدمی سے بڑھ کر کوئی اور بھلائی نہیں ہوسکتی۔رسول اللہ ﷺ کے خط کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کا خط مجھے مل گیا جس میں آپ ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ذکر کیا ہے اللہ کی قسم! گٹھلی کے چھلکے برابر بھی عیسیٰ علیہ السلام کی اس سے زیادہ حیثیت نہیں ہے جو آپ ﷺ نے لکھی ہے وہ اسی طرح ہیں جس طرح آپ ﷺ نے ذکر کیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اللہ نے انہیں ہمارے پاس جو کچھ دے کر بھیجا۔ہم آپ ﷺ کے چچا زاد اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو جانتے ہیں۔میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں میں نے آپ ﷺ کی بیعت کر لی اور آپ ﷺ کے چچا زاد کی بیعت کی میں اس کے ہاتھ پر اللہ کے لیے اسلام لایا۔

نجاشی کا انتقال ۹ھ ہجری میں ہوا اس دن رسول اللہ ﷺ کو اس کے انتقال کی خبر مل گئی آپ ﷺ لوگوں کو میدان میں لے گئے اس کی نماز جنازہ چار تکبیروں سے پڑھائی میرا خیال یہ ہے کہ یہ لوگوں کو وہم ہوا ہے راویوں نے اس نجاشی اور اس نجاشی کہ جس کو رسول اللہ ﷺ نے خط لکھا تھا دونوں میں فرق نہیں کیا۔نجاشی دو ہیں جیسا کہ مسلم میں وضاحت ہے کہ جس نجاشی کو آپ ﷺ نے خط لکھا تھا وہ اور تھا جس کی نماز جنازہ پڑھائی وہ دوسرا نجاشی تھا۔[زادالمعاد ج۳ ص ۶۰ تا ۶۱]

④ زادالمعاد ج۳ ص۶۲ میں اس خط کے بارے میں لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ نے عمان کے بادشاہ کو لکھا تو بادشاہ مجھ (عمرو بن عاص) سے پوچھتا ہے کہ آپ کا اسلام کہاں ہے؟ میں نے کہا: نجاشی کے پاس میں نے اسے بتایا کہ نجاشی مسلمان ہو چکا ہے۔تو اس نے کہا اس کے ملک والوں نے اس کی حکومت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ میں نے کہا: انہوں نے اس کو برقرار رکھا ہے اور اس کی اتباع کی ہے۔ اس نے کہا کیا علماء اور راہبوں

نے بھی اس کی اتباع کی ہے؟۔ میں نے کہا: ہاں۔ کہتے ہیں کہ: میرے خیال میں ہرقل کو نجاشی کے اسلام کا پتہ نہیں تھا؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ اس نے کہا اسے کیسے معلوم ہوا؟ میں نے کہا: نجاشی ہرقل کو زمین کی پیداوار کا خراج دیتا تھا جب نجاشی نے اسلام قبول کیا اور محمد ﷺ کی تصدیق کی تو اس نے کہا: اب اگر ہرقل نے مجھ سے ایک درہم بھی مانگا تو میں نہیں دوں گا۔ جب اس بات کا علم ہرقل کو ہوا تو اس کے بھائی نے اس سے کہا کہ کیا آپ اپنے غلام کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ خراج نہ دے اور آپ کے دین کو چھوڑ کر نیا دین اختیار کرے؟ ہرقل نے کہا: اگر ایک آدمی کو ایک دین پسند آ گیا ہے اور اس نے اسے اختیار کر لیا تو میں اس کو کیا کہوں گا؟ اللہ کی قسم اگر مجھے اپنی حکومت چھن جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا ہے۔[زادالمعاد ج۳ ص۶۳]

⑤ زادالمعاد میں جو کچھ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کا نجاشی کو خط کا ذکر ہے اور جو عمرو بن عاص کا الجلندی کے بیٹوں عمرو اور جعفر کی طرف روانگی اور عبداللہ ابن الجلندی کے ساتھ حمایت کا ذکر ہے تو یہ بالکل سیرت ابن ہشام کے مطابق ہے جس میں ہے عمرو بن العاص غزوہ خندق کے بعد گیا تھا اسے احساس تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو عنقریب غلبہ حاصل ہوگا اس نے اور قریش کے چند دیگر افراد نے ارادہ کیا کہ حبشہ چلتے ہیں اگر قریش رسول اللہ ﷺ پر غالب آ گئے تو ہم مکے واپس آ جائیں گے اور اگر رسول اللہ ﷺ غالب آ گئے تو ہم حبشہ میں نجاشی کے پاس رہ جائیں گے جہاں محمد ﷺ کی پہنچ نہیں ہوگی۔ جب عمرو بن العاص نجاشی کے پاس گیا اس سے ملا اور تحفے پیش کیے تو وہاں عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو نجاشی سے کہا کہ اس آدمی کو میرے حوالے کر دیں میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ نجاشی کو غصہ آیا اور اسے چھڑی سے اتنے زور سے مارا کہ اس کی ناک کٹنے سے بچ گئی۔

پھر کہا: کیا میں اس شخص کے نمائندے کو تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہ پاکیزہ علم آتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا؟ میں نے کہا: بادشاہ کیا ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا افسوس ہے تم پر عمرو اس نبی کی اطاعت کرو اتباع کرو اللہ کی قسم وہ حق پر ہے۔ وہ اپنے مخالفین پر اسی طرح غالب آئے گا جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب آئے تھے۔ میں نے کہا: کیا آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لیتے ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس نے ہاتھ بڑھایا میں نے اس سے اسلام کی بیعت کر لی پھر میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا مگر ان سے اپنا اسلام چھپایا

۔اس سب کے بعد بھی نجاشی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب اس نے اسلام کا اعتراف کرلیا تو وہ جازم اور پختہ اعتراف نہیں تھا اور وہ کفر اور عیسائیت کا سربراہ تھا اللہ کے دین کے علاوہ اور طریقوں پر فیصلے کرتا تھا۔تعجب کی بات ہے انہوں نے ایسی بات کی ہے اگر علی عبدالرزاق اپنی منحوس باتوں کو لکھنے سے قبل ان کی بات سن لیتا تو وہ بہت خاموش ہو جاتا۔

⑥ کسی کو یہ الجھن ہونا کہ جو نجاشی اس حالت میں مرگیا تھا کہ ''بغیر ما انزل اللہ'' حکومت کرتا تھا تو اس الجھن کی وضاحت ہم کر چکے ہیں اور وہ اس طرح کہ جس نجاشی کو رسول اللہ ﷺ نے خط لکھا تھا وہ ۶ھ ہجری کو فوت ہوا تھا اور جس سے عمرو بن العاص نے ملاقات کی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے جس کی نماز جنازہ پڑھی تھی وہ ۹ھ ہجری کو فوت ہوا تھا۔یہ دونوں الگ الگ نجاشی تھے جیسا کہ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں وضاحت کی ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: نبی ﷺ نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کو خطوط لکھے اور دیگر حکمرانوں کو بھی اللہ کی طرف دعوت دی یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نماز جنازہ نبی ﷺ نے پڑھائی تھی ۔مسلم رحمہ اللہ نے یہی حدیث انس رضی اللہ عنہ سے دو اور سندوں سے ذکر کی ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ یہ وہ نجاشی نہ تھا مگر اس کو جب عمرو بن العاص کے واقعہ سے ملاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آخری دو سندوں کے رواۃ کو وہم ہو گیا یا وہ پہلی سند میں مذکور بات کو بھول گئے ہیں۔اس کی تائید البدایہ والنہایہ لابن کثیر رحمہ اللہ سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ مسلمانوں کی حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کا ذکر کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا نجاشی کو مخاطب کرنا سنہ ۹ھ ہجری میں ہے ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ بیہقی میں ہجرت حبشہ کے قصے کے بعد اسی طرح لکھا ہے ۔مگر یہاں اس میں کچھ قابل غور باتیں بھی ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خط اس نجاشی کو لکھا تھا جو مسلمان ہوا تھا اور جس سے جعفر وغیرہ نے ملاقات کی تھی اور یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ ﷺ نے دیگر بادشاہوں کو خطوط لکھ کر اللہ کی طرف دعوت دی تھی فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل جیسا کہ ہرقل عظیم الروم کو خط لکھا تھا۔ آپ ﷺ کے خط میں تھا کہ یہ دوسرے (نجاشی) کو ہے پہلے والے کو نہیں اس میں ہے نجاشی اصحمہ کی طرف ہے۔ہوسکتا ہے اصحمہ کا لفظ راوی نے اضافہ کیا ہو اپنی سمجھ کے مطابق ۔پھر اس کے بعد صاحب کتاب نے نجاشی اول سے رسول اللہ ﷺ کے خطاب کا ذکر کیا ہے جو عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آپ ﷺ نے

بھیجا تھا اور اس کا جواب نجاشی نے دیا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں میں نے آپ کی بیعت کرلی اور آپ ﷺ کے چچازاد کے ہاتھ پر بیعت کرلی میں نے اس کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے اسلام قبول کرلیا میں آپ ﷺ کی طرف اریحا بن الاصحم بن ابجر کو بھیج رہا ہوں۔ میں صرف اپنے آپ کا اختیار رکھتا ہوں۔ اگر آپ ﷺ کہیں تو میں آپ کے پاس چل کر آنے کو تیار ہوں آپ ﷺ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے۔

④ آلِ فرعون کے مؤمن کا ایمان؟

قرآن یا دیگر نصوص میں یہ نہیں ہے کہ آلِ فرعون کا مؤمن موسیٰ علیہ السلام اور مؤمنین سے اپنا ایمان چھپاتا تھا ورنہ وہ اس کے ایمان واسلام کا فیصلہ کیسے کرتے اور اس کے ساتھ مؤمن مسلمان والا سلوک کیسے کرتے؟ اگر وہ ان سے بھی اپنا اسلام چھپائے رکھتا؟ حالانکہ وہ اپنا اسلام فرعون سے چھپاتا تھا اس سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ فرعون سے دوستی رکھتا تھا یا اس کی شریعت کا پابند تھا بلکہ اس کا معاملہ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ والا تھا جب وہ اسلام لائے اور غزوہ خندق کے موقعہ پر انہوں نے اپنا جہاد پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اکیلے آدمی ہو ہم سے علیحدہ ہو لہٰذا تم اپنا ایمان اس وقت تک چھپائے رکھو جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جاؤ نعیم نے ابوسفیان اور نبی قریظہ کے ساتھ جو کرنا تھا وہ کرلیا جبکہ انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ محمد ﷺ کے دین پر ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا اسی طرح محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے جب انہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی تھی کہ میں آپ ﷺ کے بارے میں کچھ کہوں تو اس کی اجازت آپ ﷺ نے دی تھی، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف کے سامنے محمد ﷺ کی شکایتیں کیں تا کہ کعب بن اشرف انہیں منافق سمجھ کر ان سے بے خوف ہو جائے اور ہوا بھی ایسا ہی اس طرح محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو موقع ملا کعب کو قتل کرنے کا اسی طرح مسلمان مکے میں کفار سے اپنا ایمان چھپائے رکھتے تھے تا کہ ان کی ایذاؤں سے محفوظ رہیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی ان لوگوں کے ایمان سے باخبر تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر وہ اپنی قوم سے اپنا ایمان چھپاتے تھے تو ان کے ساتھ بتوں کی عبادت بھی کرتے تھے یا استانوں پر ذبح کرتے تھے یا مردار کو حلال سمجھتے تھے یا بیٹیوں کو دفن کرتے تھے یا کاہنوں کے پاس فیصلے لے جاتے تھے۔ ایسا ہرگز نہ تھا۔ کفار، ان سے اور

ان کے ایسے امور سے مکمل طور پر لاتعلق تھے البتہ محمد ﷺ کے دین کو اپنانے کا اعلان نہیں کرتے تھے ان کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق شرائع کے ذریعے تھا یہی وہ بنیاد تھی جس پر ان کا اسلام قائم تھا اللہ کی عبودیت پر ان کے اسلام کی بنیاد تھی اس کی شریعت کو قبول کر کے اور اس کے ماسوا کو چھوڑ کر۔ اسی کو کہتے ہیں غائبانہ طور پر تمام شرائع کو اپنانا۔ یہی معنی ہے کہ انہوں نے اللہ کی شریعت کو تسلیم کر لیا تھا۔ جب تک ایک بھی فرض نازل نہیں ہوا تھا۔ اس سے قبل تک یہی حالت آلِ فرعون کے مؤمن کی تھی پھر اس آدمی نے اپنے ایمان کا اعلان سرعام کر دیا فرعون اور اس کے لشکر کے سامنے حق کی آواز بلند کی مگر جب اس کا وقت آیا تب، جیسا کہ قرآن کے بیان سے واضح ہے۔

((تیسرا باب))

خوارج پر ردّ ❶

فصل اوّل: خوارج کے اقوال کا خلاصہ

مرجئہ نے اپنی آراء کی وجہ سے فسق ومعاصی کو پھیلایا یا اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو جائز قرار دیا۔ان کے برعکس خوارج ہیں۔خواہ خوارج قدیم ہوں یا جدید ان کے اقوال وشبہات، دین میں غلو اور تبدیلی کی مثالی حیثیت رکھتے ہیں ان کے سیاسی ترقی کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ لوگ اہل سنت والجماعت کے نظریات سے نکل گئے اور اپنے دین میں غلو سے کام لیا۔نصوص پر ان کی سطحی نظر تھی جو معانی پر نہیں تھی قرآن پڑھتے تھے مگر

---

❶ خوارج تاریخ میں اس گروہ کا نام مشہور ہے جو علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں سے تھے مگر ان کے خلاف بغاوت کی تھی جب علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صفین کی جنگ ہوئی اور پھر مذاکرات کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کنندگان کے فیصلے کو تسلیم کرلیا اور وہ فیصلہ کتاب اللہ پر ہوا مگر انہوں نے ’لاحکم الا للہ‘ کا نعرہ بلند کرکے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کیا۔علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یہ کلمہ حق ہے مگر اس سے باطل مراد لیا گیا ہے۔یہ لوگ کوفہ کے قریب حروراء مقام کی طرف چلے گئے اسی لیے انہیں حروری بھی کہا جاتا ہے۔وہاں پر یہ علی رضی اللہ عنہ سے قتال کے لیے جمع ہو گئے علی رضی اللہ عنہ سے ان کی جنگ نہروان کے مقام پر ہوئی علی رضی اللہ عنہ نے انہیں شکست دی ان کا غصہ مزید بڑھ گیا حالانکہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ان کے بچوں کو قیدی نہیں بنایا جائے گا جو ان سے بھاگ گیا اسے قتل نہیں کیا جائے گا علی رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ اگر کوئی حق کی تلاش میں غلطی کر لیتا ہے تو وہ اس آدمی کے برابر نہیں ہے جو باطل کی تلاش میں کامیاب ہو۔یہ سب کچھ خوارج کے فائدے کے لیے تھا یہ اس وقت کی بات ہے جب ان میں آراء ومذاہب کا اختلاف نہیں تھا ان میں مذاہب بنے تو ان کی تکفیر میں بھی اختلاف ہوا۔اموی حکومت نے ان کے قتل میں سختی سے کام لیا خاص کر مہلب بن ابی صفرہ اور ابن زیاد نے۔ان میں متعدد فرقے بن گئے یہاں تک کہ بیس (۲۰) فرقوں تک پہنچ گئے۔مسلمانوں کے بارے میں ان فرقوں کے نظریات مختلف تھے سیاست۔خلافت۔امامت۔عقائد میں بھی اختلاف تھا جیسا کہ ایمان اور ارتکاب کبیرہ کے بارے میں ازارقہ جو کہ سب سے زیادہ متشدد تھا ان کا نظریہ انہوں نے علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما اور اپنے پیروکاروں کے علاوہ دیگر تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا ان کا خون بہانا ان کے بچوں بیویوں کو قیدی وغلام بنانا جائز قرار دیا بت پرستوں کی طرح۔گناہ کبیرہ کے مرتکب کو یہ کافر قرار دیتے۔ان میں نجدات، صفیریہ، بیہسیہ، اباضیہ فرقے ہیں ان میں اباضیہ اہل سنت کے قریب ہیں یہ کہتا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ایسا کافر ہے جیسا کفران نعمت کرنے والے کو کہا جاتا ہے خوارج شجاعت، تقویٰ، عبادت گزاری، قوت عقیدہ میں مشہور تھے۔ان کی بہت سی باتیں تاریخ میں مشہور ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور ابی حمزہ الخارجی اور قطری بن الفجاء کا خطبہ ہے۔[البیان والتبیین للجاحظ ج۲ ص۲۷۷۔نیل الاوطار شوکانی ج۷ ص۳۳۹۔تاریخ الاسلام السیاسی حسن ابراہیم ج۱ ص۳۷۵۔الملل والنحل شہرستانی ج۱ ص۱۵۷]

اس کے نصوص کو باہم ملاتے نہیں تھے جیسا کہ بدعتیوں اور خواہشات کے پیروکاروں کی عادت ہوتی ہے۔ان پر رسول اللہ ﷺ کا فرمان صادق آتا ہے۔کہ آخری دور میں ایک قوم نمودار ہوگی نوعمر کم عقل تمام لوگوں سے زیادہ اچھی باتیں کرنے والے مگران کا ایمان حلق سے نیچے نہیں اترے گا دین سے اس طرح نکلے ہوں گے جیسے کمان سے تیر،انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کردو،ان کے قتل کا قیامت کے دن اجر ملے گا۔[متفق علیه]

مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ چیزیں تقسیم کررہے تھے کہ بنوتمیم کا ایک آدمی ذوالخُوَیصرہ،آیا اس نے کہا اللہ کے رسول ﷺ! عدل کریں،آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:اللہ کے رسول مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن ماردوں ۔آپ ﷺ نے فرمایا: رہنے دو اس کے اور ساتھی ہوں گے کہ تم اپنی نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلے میں اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر جانو گے وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا،دین سے ایسے خارج ہوں گے جیسے تیر کمان سے کہ وہ تیر پر خون آلود ہوا نہ ہی اس کا کوئی بھی حصہ حالانکہ تیر گوشت وخون سے نکل کر گیا ہے۔[نیل الاوطار شوکانی ج٧ ص٣٤٤]

ان کی مجموعی صفات ان کی شدت عبادت اور اوامر کی پابندی پر دلالت کرتی ہیں۔مگران کا یہ عمل ان کو ان کی بدعت سے نہیں روک سکتا کہ وہ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور اہل قبلہ کو قتل کرنے کی بات کرتے ہیں اور اپنی شاذ رائے پر قائم ہیں۔

نصوص شرعیہ کو سمجھنے کا جو منہج اہل سنت کا ہے اس کی مخالفت کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی فہم میں کجی اور ان کے منہج میں خرابی ونقص ہے۔ہم ان کے اقوال وشبہات کو مختصراً پیش کریں گے پھر ایک ایک شبہ کا جواب تفصیل سے دیں گے۔

ان کے اقوال کا خلاصہ

① یہ کہتے ہیں کہ: تمام اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ایمان قول وعمل کا نام ہے مگر اس میں کمی وبیشی نہیں ہوتی اگر ایک صفت بھی کم ہوگئی یا ایک جزء نہ رہا تو سارا ایمان چلا جائے گا۔ایسے شخص کو مطلقاً مؤمن نہیں

کہا جا سکتا بلکہ وہ کافر ہے جب تک اس کا گناہ جاری ہے اور اس نے توبہ نہ کی۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: خوارج و معتزلہ کہتے ہیں کہ تمام اطاعات ایمان کا حصہ ہیں اگر ان میں سے کچھ اطاعات ختم ہوگئیں تو پورا ایمان چلا جائے گا اس لیے یہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کا ایمان بالکل نہیں ہوتا۔[الایمان الاوسط ص ۵۲]

پھر ان کے شبہات یا غلط فہمی کی تفصیل یہ ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ ایک مرکب حقیقت اپنے بعض اجزاء کے زوال سے زائل ہو جاتی ہے جیسا کہ دس کا عدد ہے اگر اس میں سے کچھ کم ہو جائے تو دس باقی نہیں رہتا اسی طرح اجسام مرکبہ ہیں جیسا کہ سکنجبین (جو کہ لیموں اور چینی سے ایک شربت بنایا جاتا ہے) کہتے ہیں کہ (اسی طرح) جب ایمان ظاہری و باطنی اقوال و اعمال سے مرکب ہے تو پھر لازم ہے کہ ایک جزء کے زوال سے پورا ایمان زائل جائے۔ یہ خوارج و معتزلہ کا قول ہے کہتے ہیں کہ آدمی کو مؤمن تب کہیں گے جب اس میں ایمان ہوگا کافر تب کہیں گے جب اس میں کفر ہوگا تو کفر و ایمان اس کے ساتھ قائم ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ ہے اجماع کے خلاف ہے۔[الایمان الاوسط ص ۵۳]

(۲) جس طرح انہوں نے اعمال کفر اور اعمال معاصی کو برابر قرار دیا ہے، معصیت کے مرتکب کو انہوں نے کافر کہا ہے اور اس نظریہ کی وجہ سے انہوں نے افعال معصیت کو بھی کافر بنا دینے والے اعمال قرار دیا ہے جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔ انہوں نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ گناہ کی اقسام ہیں کچھ شرکیہ کچھ غیر شرکیہ ان کے نزدیک معاصی کی وجہ سے کافر ہونے کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

❶ اللہ نے ایمان کے لفظ کا اطلاق تمام اعمال پر کیا ہے (چاہے وہ کیے جانے والے اعمال ہوں یا چھوڑے جانے والے لہٰذا سب اعمال ایمان کی اصل میں داخل ہیں جس نے ان میں سے ایک بھی عمل چھوڑ دیا اس نے خود سے مکمل طور پر ایمان کی صفت کا خاتمہ کر دیا اور وہ کافر کہلائے گا۔

❷ اللہ نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ:

۞ وَ مَنْ يَّعْصِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْن

"اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) نافرنی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے

آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، ایسوں ہی کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔'' [النساء: ١٤]

ایک جگہ ارشاد ہے:

❁ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا [الجن: ٢٣]

''جس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی اس کے لیے جہنم کی آگ ہے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔''

ایک جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

❁ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [البقرہ: ٨١]

''یقیناً جس نے برے کام کیۓ اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا، وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے۔''

ان آیات میں مذکور معصیت کو انہوں نے مطلق معصیت یا گناہ پر محمول کیا اور جہنم میں ہمیشہ رہنے سے مراد کفر لے لیا۔ اسی طرح اللہ نے بعض مرتکبین معاصی کو ہمیشہ جہنم میں رہنے والے قرار دیا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کافر ہیں اس لیے ہمیشہ کے جہنمی ہیں۔ جیسا کہ فرمان ہے:

❁ وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا [النساء: ٩٣]

''جس نے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کر دیا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب ہے، لعنت ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

اس پر انہوں نے استدلال کیا ہے اس بات سے کہ ابلیس معصیت اللہ کا حکم نہ ماننے آدم کو سجدہ نہ کرنے سے کافر قرار پایا اسی طرح ہر وہ شخص (کافر ہے) جو اللہ کا نافرمان اس کے امر کا تارک ہے۔

③ رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث میں بعض معاصی کا ذکر کیا ہے اور انہیں کفر کہا ہے جیسا کہ فرمان ہے

❁ دو خصلتیں ہیں جن کی وجہ سے آدمی کافر ہوتا ہے:

① نسب میں طعن اور

② میت پر نوحہ [مسلم]

❁ جو بھی غلام اپنے آقا سے بھاگ گیا وہ کافر ہوا جب تک واپس نہ آئے۔[مسلم]

❁ میرے بعد کافر مت بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارو۔ [متفق علیہ]

❁ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔[مسلم]

❁ جب کوئی آدمی اپنے بھائی کو کافر کہے تو یہ بات دونوں میں سے ایک پر لوٹ آتی ہے[مسلم]

ان احادیث میں مذکور کفر کو انہوں نے کفر اکبر پر محمول کیا ہے جو انسان کو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مرتکبین معاصی کے بارے میں کہا ہے کہ یہ مسلمان نہیں ہیں مثلاً حدیث ہے:

❁ ''زانی جب زنا کر رہا ہو تو وہ مؤمن نہیں ہوتا، چور جب چوری کر رہا ہو تو وہ مؤمن نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پی رہا ہو تو وہ مؤمن نہیں ہوتا۔'' [مسلم]

❁ اللہ نے لعنت کی ہے۔جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر، بال اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والیوں پر، دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنے والی حسن کے لیے اللہ کی خلقت تبدیل کرنے والیوں پر (لعنت ہے۔)[مسلم ۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ]

❁ دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں میں نے انہیں دیکھا نہیں ایک تو وہ لوگ ہیں کہ ان کے ہاتھ میں گائے کی دم کی طرح کوڑے ہیں ان سے لوگوں کو مار رہے ہیں۔اور دوسری قسم وہ عورتیں ہیں جو بظاہر کپڑے پہنی ہوئیں (مگر باریک تنگ یا مختصر ہونے کی وجہ سے) برہنہ ہوگی (مردوں کی طرف) مائل ہونے والی اور ان کو اپنی طرف مائل کرنے والی ان کے سر ایسے ہیں جیسے کوہان یا گھاس کا گچھ یہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو بہت دور تک جاتی ہے۔[مسلم ۔ ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ]

نبی ﷺ کا یہ فرمان کہ فلاں مؤمن نہیں ہے انہوں نے اس کا مقصد یہ لے لیا ہے کہ کافر ہے اسی طرح اللہ کی طرف سے لعنت کو انہوں نے کفر قرار دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

❁ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ [البقرہ:۸۹]

''کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے یہ بھی جائز قرار دیدیا کہ انبیاء بھی (نعوذ باللہ) کفر کے مرتکب ہو سکتے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ آدم علیہ السلام نے درخت کھا کر کفر کیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی جیسا کہ قرآن میں ہے۔

❁ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى [طٰهٰ:۱۲۱]

''آدم (علیہ السلام) نے اپنے کی نافرمانی کی اور گمراہ ہوا۔''

وہ کہتے ہیں: قرآن میں جتنی بھی آیات آئی ہیں سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت، گناہ اور معصیت یہ توبہ کے ساتھ مشروط ہے اگر گناہ سے توبہ نہ کی تو وہ کسی صورت میں نہیں بخشا جائے گا اور اس گناہ کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو گا وہاں ہمیشہ رہے گا کافر ہو گا۔ اس پر انہوں نے سابقہ دلائل دیئے ہیں جو مرجئہ کے خلاف ہم نے پیش کیے ہیں مگر انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ گناہ سے توبہ نہ کرنے کو گناہ گار کے لیے کفر قرار دیا ہے اسے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا حکم لگایا ہے۔ اس کے برعکس اہل سنت گناہ گار کو مستحق عذاب قرار دیتے ہیں مگر ایک مدت تک جہنم میں رہے گا اس کے بعد وہاں سے موحدین کو نکالا جائے گا۔ ہم عنقریب یہ ثابت کریں گے کہ ان مرجئہ کا استدلال صحیح نہیں ہے اور جس معنی پر اہل سنت نے ادلہ کو محمول کیا ہے وہ صحیح ہے۔ ❶

❶ خوارج کے شبہات دراصل تقلیدی ہیں جو انہوں نے ہر دور اور ہر زمانے میں اپنائے ہیں البتہ ان کے کچھ شبہات ایسے بھی ہیں جن کا ہم نے تذکرہ نہیں کیا کہ یہاں اس کی ضرورت نہ تھی۔ ان میں سے بعض فرقے ''جماعت'' کو اسلام کی صحت قرار دیتے ہیں اور اسلام کا رکن شمار کرتے ہیں جس نے جماعت چھوڑ دی وہ کافر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جس نے جماعت کو چھوڑ دیا اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی نکال دی جب تک واپس نہ آجائے۔ اور حدیث میں مذکور جماعت سے یہ صرف خود کو مراد لیتے ہیں جو ان کی جماعت میں شامل نہیں وہ کافر ہے اس کا مال اس کی جان اس کی عزت حلال ہے اگرچہ وہ شخص بہت زیادہ متقی مخلص اور دعوۃ الی اللہ کا کام کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ان کے بارے میں صحیح واقع ہوا ہے کہ یہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑیں گے۔ جیسا کہ ہم نے کہا کہ ان شبہات کے تذکرے کا یہ مقام نہیں ہے ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کا مذہب عقلی و نقلی دلائل کی رو سے غلط ہے۔ حدیث میں مذکور جماعت سے مراد اہل حدیث ہیں۔ کسی نے کہا علماء مراد ہیں کسی نے کہا سواد اعظم مراد ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے علاوہ سب کافر ہیں اس لیے کہ جو ان کے ساتھ نہیں ہو گا وہ ان کا مخالف ہے تو لازمی کفار کا دوست ہو گا۔ لہٰذا کافر ہوا۔ یہ ایک فرضی رائے ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں حالانکہ ان کے نظریات حدیث کی رو سے بدعت ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے اجتناب کی تاکید کی ہے۔

ایمان کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا نظریہ ہم پہلے وضاحت سے پیش کر چکے ہیں کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ان اعمال کا ایمان سے کیا تعلق ہے؟ چاہے وہ اعمال ایمان کی صحت کی شرط ہوں یا اس کے ساتھ لازم ہوں تا کہ اس کا دعویٰ ایمان صحیح ثابت ہو۔ ہم ان کے اس قول کا بھی مطلب بتا چکے ہیں کہ اطاعات سے ایمان میں اضافہ اور معاصی سے کمی ہوتی ہے۔ ان کا یہ شبہ کہ ایمان کسی ایک وصف کے زائل ہونے سے پورا زائل ہو جاتا ہے تو اس کا جواب ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ یہ دراصل اس غلطی کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایمان کو حقیقت مرکبہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اور یہ ان کی بنیادی غلطی ہے دراصل ایمان حقیقت جامعہ کے ساتھ مشابہ ہے یعنی جس میں متعدد صفات جمع ہوں مگر وہ مرکب نہ ہو اس کا فرق بیان کرتے ہوئے ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حقیقت جامعہ جو کئی امور کو جمع کرنے والی ہو چاہے وہ امور اعیان ہوں یا اعراض۔ جب ان میں سے کچھ اجزئ زائل ہوتے ہیں تو کبھی کل زائل ہو جاتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ یہ ضروری نہیں کہ اگر کچھ امور زائل ہو جائیں تو بقیہ بھی زائل ہوں۔ چاہے اس کا نام مرکبہ رکھ دیں یا مؤلفہ یا کچھ اور۔ بعض اجزاء کے زوال سے سب کا زوال لازم نہیں آتا۔ انہوں نے (عشرۃ) دس کی مثال دی ہے یا سکنجبین کی تو یہ مثال مطابق ہے اس کے کہ اگر دس سے ایک زائل اور ختم ہو جائے تو بقیہ نو ختم نہیں ہوتے بلکہ ۹ باقی رہتے ہیں۔ مرکب کے ایک جزء کے زائل ہونے سے دوسرا اجزء زائل نہیں ہوتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صورت مجتمعہ زائل ہوگئی ہے یا ہیئت اجتماعیہ زائل ہوگئی ہے اور وہ نام اب اس کے لیے استعمال نہیں ہوگا جو اس کی اجتماعی صورت کے لیے بولا جاتا تھا۔ دس یا سکنجبین کا نام بدل جائے گا اگر یہ کہا جائے کہ (جزء کم ہونے سے) چیز کی مرکب حیثیت تو ختم ہو جاتی ہے؟ اس بات میں تو کسی عقلمند کو شک نہیں ہے۔ کوئی بھی صاحبِ عقل یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ایمان، نماز، حج یا دیگر عبادات جو کہ چند امور پر مشتمل ہیں اگر ان میں سے ایک چیز کم ہوئی تو پورا عمل اس طرح معدوم ہو جائے گا جیسے مرکب ہونے سے پہلے تھا، کوئی آدمی یہ نہیں کہتا کہ اگر ایک درخت یا ایک گھر کے کچھ اجزاء زائل ہو جائیں تو درخت یا گھر اس طرح باقی رہتا ہے جیسے پہلے تھا ۔اسی طرح کوئی حیوان یا انسان کے کچھ اعضاء ختم ہو جائیں تو پھر بھی وہ پہلے کی طرح مجموعہ رہتا ہے۔ (یہ دعویٰ کوئی نہیں کرتا) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسے

یہودی، نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

جیسا کہ چوپائے صحیح سالم بچہ جنتے ہیں کیا تم نے ان میں سے کسی کو کان، ناک، کٹا دیکھا ہے؟ کان کاٹنے کے بعد وہ جانور پہلے کی طرح مجموعہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بقیہ اجزاء بھی ختم ہو گئے ۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس کے لیے وہ نام پھر نہیں بولا جا سکتا جو اجزاء کی کمی سے پہلے تھا تو اس کا جواب ہم بچند طرق دیں گے:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ لفظی بحث ہے جب یہ مان لیا جائے کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ:

الایمان بضع و سبعون شعبة اعلها قول لاالٰه الاالله وادناه اماطة الاذی عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان [متفق علیه]

ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں سب سے اعلیٰ شاخ ''لا الٰہ الا اللہ'' اور سب سے کمتر راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کی شاخ ہے۔

جیسا کہ نماز اور حج کے اجزاء اور شعبے ہیں مگر ایک شاخ کے زائل ہونے سے بقیہ اجزاء ختم نہیں ہوتے۔ جس طرح کہ حج اور نماز کے بعض اجزاء سے بقیہ اجزاء ختم نہیں ہوتے۔ ان کا یہ دعویٰ کہ جب ایک مرکب کے کچھ اجزاء زائل ہو جائیں تو بقیہ اجزاء بھی ختم ہو جاتے ہیں یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے البتہ ان کی یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ کچھ اجزاء کے زوال سے بعض اجزاء کم ہو جاتے ہیں مگر مکمل مجموعہ ختم نہیں ہوتا اور ہیئت اجتماعیہ جس طرح تھی اس طرح باقی نہیں رہتی ۔ اب اختلاف یہ باقی رہا کہ کیا اجزاء کے زوال سے چیز کا نام بھی زائل ہو جاتا ہے؟ تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ مرکبات کی دو قسمیں ہیں:

① جن میں ترکیب شرط ہوتی ہے تب اس پر اس اسم کا اطلاق ہوتا ہے۔

② کچھ ایسی نہیں ہوتیں۔

پہلی قسم کی مثال سکنجبین یا دس ہے۔ کچھ چیزیں یا مرکبات ایسی ہیں کہ بعض اجزاء کے زوال کے بعد بھی نام باقی رہتا ہے۔ تمام وہ مرکبات جن کے اجزاء مشابہ ہوں اسی قبیل سے ہیں اور بہت سے مختلف الاجزاء مرکبات بھی اس میں شامل ہیں جسے کہ تولی جانے والی اشیاء مثلاً گندم میں سے اگر کچھ کم کیا جائے پھر بھی گندم کہلاتی ہے

۔اسی طرح پانی مٹی وغیرہ اسی طرح لفظ عبادت اطاعت، بھلائی ،نیکی ،احسان،صدقہ،علم وغیرہ ان میں سے بہت سے امور دیگر بھی شامل ہیں ان میں کمی بیشی ہوجائے پھراس کا نام اس پر بولا جاتا ہے اگر چہ کچھ اجزاء زائل ہوجائیں اور کچھ باقی رہیں اسی طرح لفظ قرآن پورے قرآن کو بھی کہا جاتا ہے اور اس کے کچھ حصے کو بھی اور اگر اس سے زیادہ بھی نازل ہوتا تب بھی اسے قرآن ہی کہتے گذشتہ کتب کو بھی قرآن کہا جاتا ہے۔جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:((خفف علی داؤد القرآن))''داؤد علیہ السلام پر قرآن خفیف کر دیا گیا تھا۔''اسی طرح لفظ قول،کلام اور منطق وغیرہ قلیل وکثیر سب پر بولا جاتا ہے ۔اسی طرح لفظ ذکر،دعاء کم زیادہ سب کو بولتے ہیں ۔اسی طرح لفظ پہاڑ ہے اگر چہ اس کا کچھ حصہ کم کر دیا گیا ہو۔ان میں سے لفظ نہر اور دریا بھی ہے اگر چہ اس کے پانی کی مقدار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے ۔اسی طرح لفظ شہر، گاؤں مسجد وغیرہ ہیں کہ ایک مرکب مجموعے پر بولے جاتے ہیں پھراس کے اکثر اجزاء کم ہوجاتے ہیں مگر نام پھر بھی اس کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔اسی طرح حیوانات اور نباتات کے نام ہیں کہ یہ ایک درخت مکمل ہو تو اسے بھی درخت کہتے ہیں۔اس میں تنا اور شاخیں شامل ہیں پھرانہیں کاٹا جاتا ہے پھر بھی، نام درخت باقی رہتا ہے اسی طرح انسان،گھوڑا، گدھا،ایک مجمعے پر بولا جاتا ہے مگر بعض دفعہ ان کے کچھ اجزاء کم ہوجاتے ہیں ان پر نام کا اطلاق پھر بھی ہوتا ہے۔اسی طرح لفظ ایمان بھی اسی قبیل سے ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں اعلیٰ شاخ''لا الہ الا اللہ''اور ادنیٰ شاخ راستے سے تکلیف دہ شیئ کو ہٹانا ہے حیا بھی ایمان کا حصہ ہے ۔لہٰذا ان میں سے اگر راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے والا جزء ختم ہوجائے تو لفظ ایمان کا اطلاق پھر بھی ہوگا۔نبی ﷺ کی حدیث ہے کہ: قیامت کے دن جہنم سے ہر اس شخص کو نکال دیا جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا تو اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے اجزاء بھی بنتے ہیں اور وہ بعض اجزاء کے ساتھ باقی رہتا ہے۔اور اس جزء کو بھی ایمان کہا جاتا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کچھ باقی رہتا ہے کچھ زائل ہوجاتا ہے۔اس سے ان کے بنیادی دلائل یا دلائل کی اصل بنیاد کا ردّ ہوجاتا ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کا لفظ بھی قرآن ،نماز اور حج وغیرہ کی طرح ہے۔حج میں کچھ ایسے اجزاء بھی ہیں کہ ان کے زائل ہونے سے حج کی تکمیل میں نقص آتا ہے مگر باطل نہیں ہوتا جیسا کہ رمی جمار اور منیٰ میں رات گزارنا ہے۔کچھ اجزاء ایسے ہیں کہ ان کے

زوال سے مستحب کی تکمیل زائل ہوجاتی ہے جیسے لبیک پر آواز بلند کرنا، پہلے طواف میں رمل اور اضطباع اسی طرح نماز میں کچھ اجزاء ایسے ہیں کہ ان کے زائل ہونے سے استحباب کی تکمیل ختم ہوجاتی ہے۔ کچھ اجزاء واجب ہیں جن کے زوال سے واجب کی تکمیل اور صحت نماز زائل ہوجاتی ہے۔

احمد، ابوحنیفہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کے مطابق کچھ اجزاء نماز میں ایسے ہیں کہ اگر وہ ختم ہوجائیں تو ان کی تلافی سجدہ سہو سے ہوجاتی ہے کچھ اجزاء ایسے نہیں ہیں۔ ثابت ہوا کہ کسی چیز کے اجزاء کے احکام شرعی اور طبعی اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اگر کوئی اعتراض کرنے والا کہے کہ ایک جزء چیز کی حقیقت میں داخل ہے اور دوسرا حقیقت سے خارج؟ تو اس سے سوال کیا جائے گا کہ حقیقت سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اگر وہ کہے کہ اس سے مراد ہے کہ فلاں صفت یا جزء نہ رہے تو انسان کافر ہوجاتا ہے۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ایمان ہر مکلّف کے لیے ہر زمانے میں اس اعتبار سے حقیقت واحدہ نہیں ہے جیسا کہ لفظ مسلمان، یا کالا اور سفید، بلکہ ایمان اور کفر مکلّف کے حساب سے مختلف ہوتے ہیں اور مکلّف کو کتنا دین پہنچا ہے کتنا نہیں پہنچا یا بالکل نہیں پہنچا اس لحاظ سے بھی یہ مختلف ہوتے ہیں اسی طرح جس خطاب کی وجہ سے انسان مکلّف ہوتا ہے اس خطاب کے لحاظ سے بھی یہ مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایمان اور واجب مطلقاً کسی اور پر اسطرح نہیں جس طرح ایک پر ہر وقت میں ہوتا ہے۔ اللہ نے جب محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا لوگوں کی طرف تو اس وقت لوگوں پر ان کی لائی ہوئی خبر کی تصدیق اور آپ کے احکامات کی اطاعت واجب تھی اس وقت آپ ﷺ نے انہیں پانچ نمازوں یا رمضان کے روزوں اور بیت اللہ کے حج کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ ہی شراب یا سود کو حرام کیا تھا نہ ہی قرآن کا زیادہ حصہ نازل ہوا تھا جس نے اس وقت جتنا قرآن نازل ہوا تھا اس کی تصدیق کی اور شہادتین کا جو حکم انہیں دیا گیا اور اس کے توابع کا ان کی تصدیق کی تو یہ شخص اس وقت مکمل مؤمن ہوتا تھا جتنا بھی اس پر ایمان واجب تھا اگر اس طرح کا ایمان یہ ہجرت کے بعد لاتا تو قبول نہ ہوتا اور اگر ہجرت کے بعد اسی ایمان پر اکتفا کرتا تو کافر ہوتا (یہی نص اور دلیل ہم نے پہلے بھی پیش کی ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا یہ بھی دلیل پیش کرچکے ہیں کہ ایمان ثابت کرنے کے لیے اعضاء سے عمل لازمی ہے) اسی طرح قرآن نازل ہونے اور دین مکمل ہونے کے بعد بھی اگر ایک آدمی کو کچھ دین پہنچتا ہے اور کچھ نہیں پہنچتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی

باتوں کی تصدیق کرے چاہے اسے مجمل پہنچی ہیں یا مفصل اور جو اس تک پہنچی نہیں یا تفصیل سے نہیں پہنچیں تو اس پر لازم ہے کہ جب یہ اسے تفصیل سے مل جائیں تو اس کی مکمل معرفت حاصل کرے۔ایک آدمی جب رسول اللہ ﷺ پر ایمان جازم لاتا ہے اور نماز کے وقت کے آنے سے پہلے فوت ہو جاتا ہے یا کسی بھی عمل کے واجب ہونے سے پہلے تو وہ اس حال میں مر گیا کہ اس کا ایمان واجب مکمل تھا اور جب پہلے تو وہ اس احال میں مر گیا کہ اس کا ایمان واجب مکمل تھا اور جب ایمان لانے کے بعد نماز کا وقت ہو تو اس پر نماز پڑھنا لازم ہے ۔اور اس پر وہ سب کچھ واجب ہے جو اس سے پہلے نہیں تھا۔اس طرح حج یا جہاد کی طاقت رکھنے والا اس پر وہ کچھ واجب ہوگا جو کسی اور پر واجب نہیں یعنی تفصیلی تصدیق اور عمل میں سے معلوم ہوا کہ جو ایمان واجب ہے وہ آسمان سے وحی کے نزول کے لحاظ سے مختلف رہا ہے۔اسی طرح مکلّف کو جتنی شریعت پہنچی ہے (اس کے حساب سے بھی ایمان کی مختلف حالتیں ہیں) یہ تو تصدیق کے لحاظ سے حالتیں تھیں مکلّف کی طاقت اور عجز کے لحاظ سے بھی یا دیگر اسباب کی وجہ سے بھی یہ اختلاف ہوتا ہے۔یہ تو واضح ہے کہ ان سب پر ایمان یکساں واجب نہیں ہے جب ایک ہی شریعت میں ایک ہی واجب ایمان مختلف اور متفاضل ہوتا ہے (اگر چہ ان تمام اقسام میں قدر مشترک موجود ہے یعنی خالق کا اقرار،اس کے لیے دین کو خالص کرنا۔اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر اجمالی ایمان) تو معلوم ہوا کہ جب کچھ لوگ اتنا عمل کریں گے جتنا ان پر واجب ہے تو گویا اتنا ہی ایمان ان کے پاس ہے جیسا کچھ واجبات (جو اس پر لازم ہیں)ادا کر رہا ہے وہ بھی تو دیگر واجبات کا حصہ ہیں یہ سوال اپنی جگہ باقی رہا کہ بعض اجزاء بعض کے لیے شرط ہوتے ہیں اور کبھی شرط نہیں ہوتے ۔شرط کی مثال جیسے کتاب کے بعض حصے پر ایمان لانا اور بعض کا انکار کرنا یا بعض رسولوں پر ایمان اور بعض کا انکار جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا[النساء: ۱۵۰،۱۵۱]

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں

فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا وہ ان کے درمیان کا کوئی راستہ تلاش کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔“

کبھی بعض چھوڑے ہوئے اجزاء دوسرے کے وجود یا قبولیت کے لیے شرط نہیں ہوتے ایسے حالات میں ایک انسان میں ایمان ونفاق دونوں جمع ہو جاتے ہیں اور کچھ شاخیں یا شعبے ایمان اور کوئی شعبہ کفر کا بھی جیسا کہ صحیحین میں روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا:

❁ چار خصلتیں ہیں یہ جس میں پائی گئیں وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ایک پائی گئی تو اس میں ایک ہی خصلت ہوگی جب تک اسے چھوڑ نہ دے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔

صحیح حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

❁ جو شخص مر گیا اور اس نے نہ جہاد کیا اور نہ وہ اپنے دل میں اس کا خیال لایا تو وہ (ایسی حالت میں مرا کہ)اس کے دل میں نفاق کا ایک شعبہ (حصہ) ہے۔

❁ ایک اور صحیح حدیث ہے کہ رسول ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم ایسے آدمی ہو کہ تم میں جاہلیت ہے۔

❁ ایک اور حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں چار عادتیں جاہلیت والی ہیں خاندانی حسب ونسب پر فخر کرنا اور (دوسروں کے) نسب میں عیب نکالنا، نوحہ کرنا، ستاروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا۔

❁ صحیحین میں آپ کا ارشاد ہے: مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

❁ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: دو باتیں لوگوں میں موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ کافر ہیں نسب میں عیب نکالنا۔ میت پر نوحہ کرنا۔

❁ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں روایت ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے آباء واجداد سے مت پھرو یہ تمہارا کفر ہوگا اگر ایسا کروگے۔[الایمان الاوسط ص٥٦-٦٣]

((دوسری فصل))

معاصی کی اقسام؟

قرآنی آیات، رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین عظام اور آئمہ دین رحمۃ اللہ علیہم کی آراء سے ثابت ہوتا ہے کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں۔

① **پہلی قسم:** جنہیں اللہ معاف نہیں کرتا یعنی کفر وشرک۔

② **دوسری قسم:** اللہ جس کے چاہے موحدین میں سے معاف کردے موحدین میں سے چاہے مطلق مغفرت ہو یا آگ میں تطہیر کے بعد۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآء [النساء:٤٨،اور ١١٦]

''اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔''

یہ آیت اپنے ظاہر کے اعتبار سے اس بات پر دلالت کرتی ہے جو ہم نے کہی ہے کہ گناہوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو شرک ہیں اور کچھ اس سے کم ہیں۔ طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ شرک وکفر کو نہیں بخشتا مشرک کے علاوہ چاہے تو اور گناہ گاروں کو معاف کردے گا۔[تفسیر الطبری ج٥ص١٢٦]

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ......﴾ یہ محکم اور متفقہ بات ہے جس میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔[تفسیر القرطبی ج٥ص٢٤٥]

❁ مسند احمد میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کے پاس تین دیوان ہیں ایک وہ جس کی اللہ کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ دوسرا وہ جس میں سے اللہ کچھ نہیں چھوڑے گا۔ تیسرا وہ جس میں سے اللہ کچھ بھی معاف نہیں فرمائے گا۔ جس دیوان (دفتر) کو اللہ معاف نہیں کرے گا وہ ہے اللہ کے ساتھ شرک: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ......﴾ ''اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے'' فرمان ہے: ﴿انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ﴾ ''جس نے اللہ کے ساتھ شرک کرلیا اللہ نے اس پر

جنت حرام کردی ہے۔'' جس دیوان کی اللہ پرواہ نہیں کرے گا وہ ہے بندے کا اپنے آپ پر ظلم (اس معاملے میں جو) اس کے اور اللہ کے درمیان ہے مثلاً کوئی روزہ چھوڑ دیا کسی دن۔ یا کوئی نماز رہ گئی تو اللہ اگر چاہے گا اسے معاف کرے گا اس سے درگذر کرے گا۔

جس دیوان میں سے کچھ نہیں چھوڑے گا وہ ہے بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا، قصاص لازمی ہے۔

❁ حافظ بزار رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں انس رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کی روایت بیان کی ہے۔

❁ مسند احمد میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرمایا: ہر گناہ ممکن ہے کہ اللہ بخش دے مگر وہ آدمی کہ جو کفر کی حالت میں مر گیا یا اس نے جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کر دیا۔

❁ مسند احمد میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے تو نے جس نیت پر میری عبادت کی اور مجھ سے امید رکھی میں اس کی وجہ سے تجھے معاف کروں گا میرے بندے اگر تو اس حال میں مجھ سے ملاقات کرے گا کہ زمین گناہوں سے بھر چکا ہو مگر شرک نہ کیا ہو میرے ساتھ تو میں زمین بھر کر تجھے مغفرت دوں گا۔

❁ اس سے پہلے ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی شفاعت والی حدیث گزر چکی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ جو اس حال میں مر گیا کہ اللہ کے ساتھ کچھ شرک نہ کیا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا میں نے کہا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔

❁ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم اس آدمی کے بارے میں شک نہیں کرتے تھے جس کے لیے اللہ نے جہنم کو واجب کر دیا ہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوگئی ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ [ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۶]

❁ طبری رحمہ اللہ نے سنداً ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم قاتل۔ یتیم کا مال کھانے والے۔ جھوٹی گواہی دینے والے۔ قطع رحمی کرنے والے کے (جہنمی ہونے) کے بارے میں شک نہیں کرتے

تھے یہاں تک کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی تو ہم رک گئے اس گواہی یا رائے سے۔[طبری ج ٥ ص ١٢٦]

یہ آیات مبارکہ واحادیث مقدسہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ شرک کو اللہ معاف نہیں کرتا جبکہ دیگر گناہوں کو معاف کرتا ہے۔شرک کے علاوہ جو دیگر گناہ ہیں تو بہت ساری آیات اور اقوال سلف سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی دو قسمیں ہیں کبیرہ اور صغیرہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا [الکهف:٤٩]

"اور (عملوں) کی کتاب (کھول کر) رکھی جائے گی تو تم گنا ہگاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے شامت یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی چیز کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی کو مگر اس نے (ہر قول وعمل) لکھ رکھا ہے۔"

دوسری آیت ہے:

وَ كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ، وَ كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ [القمر:٥٢،٥٣]

"اور جو کچھ انہوں نے کیا (ان کے) اعمال ناموں میں (مندرج) ہے (یعنی) ہر چھوٹا بڑا کام لکھ دیا گیا ہے۔"

ایک اور آیت ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ [النساء:٣١]

"اگر تم نے بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں منع کیا جاتا ہے اجتناب رکھو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کردیں گے۔"

ایک اور آیت اس طرح ہے:

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ [النجم:٣٢]

"اور جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔"

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ اس آیت میں لفظ اللمم سے مراد چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں جن میں مبتلا ہونے سے

صرف اللہ جس کو بچانا چاہے بچالیتا ہے ورنہ مشکل ہوتا ہے۔[تفسیر القرطبی ج۱۷ص ۱۰۵]

❁ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: پانچ نمازیں، جمعہ سے جمعہ، رمضان سے رمضان یہ اپنے درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں جب تک کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے [مسلم ،ترمذی]

❁ دوسری جگہ ارشاد ہے: چھوٹے اور معمولی گناہوں سے اجتناب کرو ان چھوٹے گناہوں کی مثالیں ایسی ہے کہ چند افراد ایک وادی میں پڑاؤ ڈالیں اور ہر شخص ان میں سے ایک ایک لکڑی لائے تو (بہت ساری لکڑیاں جمع ہوجائیں گی)اور وہ اپنا کھانا پکالیں گے چھوٹے گناہ ہلاک کردینے والے ہیں۔[مسند احمد۔شرح السنہ]

ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ الزواجر کے مقدمے میں لکھتے ہیں: جمہور علماء کا قول ہے کہ معصیات صغیرہ وکبیرہ دوقسم کی ہیں ۔[مقدمہ الزواجر ج۱ص۷]

صاحب ''تہذیت الفروق'' کہتے ہیں کہ:اللہ کا یہ فرمان ﴿وكَرَّهَ اِلَيكُم الكُفُرَ وَالفُسوق والعِصيَانَ﴾ ''اور ناپسند بنایا تمہاری نظر میں کفر، فسق اور نافرمانی کو'' گناہوں کے تین درجات بتارہا ہے ۔ پہلا کفر، دوسرا فسق، تیسرا اعصیان، فسوق صغیرہ گناہوں کو کہا جاتا ہے اس آیت میں کفر اور کبیرہ وصغیرہ گناہوں کو ایک جگہ بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا کہ گناہوں میں درجہ بندی ہوتی ہے۔اسی طرح پہلے بیان کی گئی آیتیں ﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ...... اور اِنْ تَجْتَنِبُوْا ......﴾ دونوں آیتیں صراحتاً یہ بیان کررہی ہیں کہ گناہوں کی دوقسمیں ہیں کبیرہ وصغیرہ۔[الفروق للفراقی ج۱ ص۱۳۳]

بعض سلف نے اللہ کی عظمت وجلالت شان کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات سے منع کیا ہے کہ کسی گناہ کو صغیرہ کہا جائے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ اللہ کی نافرمانی ہے لہٰذا اس کی ہر نافرمانی کبیرہ گناہ ہے البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ان میں کچھ گناہ دوسرے گناہ کی بنسبت زیادہ سزا اور مذمت کے مستحق ہیں یہ اختلاف لفظی ہے معنوی نہیں ہے (یعنی نام معصیت کا کبیرہ یا صغیرہ رکھیں یا نہ رکھیں) جبکہ جمہور کے نزدیک اصطلاح گناہ کبیرہ اور صغیرہ مستعمل ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔صاحب تہذیب الفروق کہتے ہیں: پہلے انہوں نے اس بات میں اختلاف کیا کہ اللہ کی معصیت کو صغیرہ کہا جائے یا نہیں کہ اللہ کا مقام ومرتبہ اور اس کی شان وعظمت

اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ اس کی معصیت کو صغیرہ کہا جائے ؟اور کیا صرف ایسے موقع پر کہا جا سکتا ہے جہاں گناہ اور سزاء میں فرق کرنا ہو یا مطلقاً کہہ سکتے ہیں۔؟[تھذیب الفروق ج ۱ ص ۱۳٤]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ بات اچھی نہیں ہے کہ اللہ کی معصیت کو صغیرہ کہا جائے البتہ بعض گناہ دوسرے کی بسنبت بڑے ہوتی ہیں۔[مسلم شرح نووی ج۲ ص۸۵]

الھیثمی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یاد رہے کہ علماء اسلام کی ایک جماعت نے گناہ صغیرہ کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ساری معصیات کبیرہ ہیں ان علماء میں استاذ ابو اسحاق الاسفرائینی ،قاضی ابوبکر الباقلانی ،امام الحرمین نے لا رشاد ہیں: اور ابن القشیری رحمۃ اللہ علیہم نے ''المرشد'' میں ذکر کیا ہے۔ بلکہ ابن فورک رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ اشاعرہ کا بھی مذہب ہے ابن فورک رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔کہتے ہیں: اللہ کی معصیات ہمارے نزدیک سب کبائر ہیں ان میں سے اگر کسی کو صغیرہ اور کسی کو کبیرہ کہا جاتا ہے تو یہ ان معصیات کے باہم نسبت کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ پھر انھوں نے ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ ''اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو جن سے تمھیں منع کیا گیا ہے'' آیت کی تاویل کی ہے کہ اس سے مراد ہے کہ جو گناہ بظاہر کبیرہ نظر آتے ہیں ۔پھر کہتے ہیں: جمہور علماء کی رائے ہے کہ معاصی دو قسم کی ہیں کبیرہ وصغیرہ معنی کے لحاظ سے دونوں میں فرق نہیں صرف لفظی ہے نام کے لحاظ سے ہے اس لیے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ معاصی میں سے کچھ ایسے ہیں جو انسان کے لیے بہت زیادہ معیوب ہیں اور کچھ ایسے نہیں۔ جبکہ مقتدمین اسے بات سے اجتناب کرتے تھے کہ اللہ کی کسی معصیت کو صغیرہ کہیں اس لیے کہ اللہ کی عظمت کو مدنظر رکھا جائے تو ہر معصیت کبیرہ ہے۔مگر جمہور نے اس بات کو مدنظر نہیں رکھا بلکہ انہیں کبیرہ وصغیرہ میں تقسیم کیا ہے اس لیے کہ اللہ کا فرمان بھی ہے: ﴿وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ ''اور ناپسند بنایا تمھاری نظر میں کفر،فسق اور نافرمانی کو''۔

[الزواجر ج۱ ص۷]

کبائر کی تحقیق

کئی احادیث میں گناہ کبیرہ کا تعارف اور ان کے نام ذکر کئے گئے ہیں۔کبیرہ وہ گناہ ہیں کہ ان سے اجتناب کی

وجہ سے اللہ نے برائیوں کو مٹانے کی خوشخبری سنائی ہے۔ طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبائر کے بارے میں سوال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی کو قتل کرنا، والدین کی نافرمانی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ جھوٹ یا جھوٹی گواہی، شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرا غالب گمان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کہا تھا۔ [طبری: ج ٥ ص ٤٢]

❁ طبری رحمہ اللہ نے سنداً ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبیرہ گناہوں کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا آپ تکیہ لگائے تشریف فرما تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: (کبیرہ گناہ یہ ہیں) اللہ کے ساتھ شرک کرنا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے فرار، پاکدامن عورت پر تہمت لگانا، والدین کی نافرمانی، جھوٹ، خیانت، جادو، سود کھانا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ اللہ کی عہد اور اس کی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے بیچتے ہیں۔ ان کو کس شمار میں رکھو گے؟ [طبری ج ٥ ص ٤٣]

علماء نے کبائر کی حد بندی اور اقسام میں اختلاف کیا ہے ان کے اختلافی اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

❁ سورۃ نساء کی ابتداء سے تیسویں آیت تک ان کا ذکر ہوا ہے اس کی دلیل طبری رحمہ اللہ کی روایت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ: گناہ کبیرہ کا ذکر سورۃ نساء کے شروع سے لے کر تیسویں آیت تک ہے ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ [طبری ج ٥ ص ٣٧]

❁ بعض کہتے ہیں: کبائر سات ہیں طبری رحمہ اللہ نے محمد بن سہل بن خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: اس مسجد کوفہ میں علی رضی اللہ عنہ منبر پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمارہے تھے لوگو! گناہ کبیرہ سات ہیں لوگوں نے ان کی طرف مکمل توجہ کر لی آپ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ یہ دہرائی پھر فرمایا کیا تم ان کے بارے میں نہیں پوچھو گے؟ لوگوں نے کہا: امیر المؤمنین وہ کون سے ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ناحق قتل کرنا، پاکدامن عورتوں پر بہتان لگانا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدان جنگ سے بھاگنا اور ہجرت کے بعد واپس آنا۔ [طبری ج ٥ ص ٣٨]

یہی رائے عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہما کی بھی ہے۔

❁ کچھ علماء کہتے ہیں: گناہ کبیرہ نو (۹) ہیں طبری رحمہ اللہ نے سنداً طیلسہ بن میاس رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں میں نوجوان تھا کچھ گناہوں میں ملوث ہوا جنہیں میں کبیرہ نہیں سمجھتا تھا میری ملاقات ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی میں نے ان سے ذکر کیا تو انہوں نے پوچھا وہ کون سے گناہ ہیں؟ میں نے کہا فلاں فلاں انہوں نے کہا یہ کبیرہ نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کبائر ۹ ہیں: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ناحق قتل کرنا، میدان جنگ سے فرار ہونا، پاکدامن عورت پر بہتان لگانا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، مسجد حرام میں بے دینی کرنا، جادو کروانا، والدین کو نافرمانی کر کے رلانا۔ ❶ [طبری ج۵ ص ۳۹]

❁ بعض علماء کہتے ہیں: گناہ کبیرہ چار ہیں: طبری رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں: سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا، اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا، اللہ کی تدبر سے بے خوف ہونا۔ [طبری ج۵ ص ٤٠]

❁ جن چیزوں سے اللہ نے منع کیا ہے ان سب کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ کی عظمت وجلالت کو اگر دیکھا جائے تو اس کی ہر نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ طبری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر وہ چیز جس سے اللہ نے منع کیا ہے اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب کبائر کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ ان کی تعداد ستر کے قریب ہے انہی سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ان سے سوال کیا کہ کبائر کتنے ہیں؟ کیا سات ہیں؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سات کے بجائے ستر کے قریب ہیں۔ البتہ اگر استغفار کیا جائے تو گناہ کبیرہ باقی نہیں رہتا اور صرار کرنے، بار بار دہرانے سے گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔ [طبری ج۵ ص ٤١]

❁ جس گناہ پر اللہ نے جہنم کی سزا کی وعید سنائی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور جس گناہ میں حد لگتی ہے وہ بھی کبیرہ

---

❶ شرک کو گناہ کبیرہ میں شامل کیا گیا ہے مگر یہ ان گناہ کبیرہ میں سے نہیں ہے جنہیں (بغیر توبہ) معاف کیا جائے گا۔ اگر ہم شرک کو بھی ان گناہوں میں شامل کر لیں جنہیں اللہ اپنی مشیت کے مطابق معاف کرے گا تو سورۂ نساء کی آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ کی مخالفت ہوگی اگر چہ گناہ کبیرہ میں شرک شامل ہے مگر اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ اسے معاف نہیں کرے گا اسے کبائر میں اس لیے شمار کیا ہے ان میں سر فہرست ہے کوئی گناہ اس کے برابر نہیں۔

ہے۔اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہتے ہیں: جس گناہ کا انجام اللہ نے جہنم قرار دیا ہے یا اپنے غضب ،لعنت، یا عذاب کا اعلان کیا ہے وہ ہی کبیرہ ہے، یہی رائے سعید بن جبیر، حسن بصری، مجاہد اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہم کی ہے۔طبری رحمہ اللہ بواسطہ سند ضحاک سے نقل کرتے ہیں گناہ کبیرہ وہ ہیں جس کی سزا اللہ نے جہنم کی آگ قرار دی ہے اور جس گنا پر حد جاری ہوتی ہے وہ کبیرہ ہے۔ ❶[طبری ج ٥ ص ٤٢ ۔ابن کثیر ج ١ ص ٢٣٣]

ان میں سے ہر قول (کبائر کی) انواع کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ممکن ہے یہ اللہ کے ہاں کبائر میں ❷ سے ہو ۔اس لیے کہ لفظ کبیرہ لفظ مبہم ہے اس کا کوئی مخصوص مقرر شدہ معنیٰ نہیں ہے نہ لغت میں نہ شریعت میں ۔ابن قیم رحمہ اللہ مدارج السالکین ج ا ص ۳۲۰ میں لکھتے ہیں: سلف نے کبائر کے بارے میں اختلاف کیا ہے مگر یہ اختلاف تعارض وتباین پر مبنی نہیں ہے ان کے اقوال قریب المقصد ہیں۔غزالی احیاء علوم الدین میں لکھتے ہیں: کبیرہ وصغیرہ نسبت کے لحاظ سے ہیں ورنہ ہر گناہ اپنے سے چھوٹے گناہ کی بنسبت بڑے ہوتے ہیں اور اپنے سے بڑے گناہ کی بنسبت چھوٹے ہیں مثلاً غیر عورت سے ہم آغوش ہونا اس کو دیکھنے کی بنسبت بڑا گناہ ہے۔اور زنا کی بنسبت چھوٹا گناہ ہے۔کسی مسلمان کا ہاتھ کاٹنا اس کو تھپڑ مارنے سے بڑا گناہ ہے مگر اس کو قتل کرنے کی بنسبت چھوٹا گناہ ہے۔جس عمل کے ارتکاب پر جہنم کی وعید ہے اسے کبیرہ کہہ سکتے ہیں۔اس کو کبیرہ اس لیے کہتے ہیں کہ آگ کی سزاء بہت بڑی سزاء ہے (لہٰذا جس گناہ پر یہ سزاء ملے گی وہ بہت ہی بڑا ہوگا) جس گناہ کی وجہ سے حد لگتی ہو اسے بھی کبیرہ کہہ سکتے ہیں جن کی ممانعت کتاب اللہ کے نص سے ثابت ہے

---

❶ اسی طرح مقدمہ الزواجر میں بھی اس مسئلے کی تفصیل مذکور ہے کہ کبائر کی تعداد محدود ہے یا نہیں؟ مدارج السالکین ج ا ص ۳۲۰ میں بھی یہی ہے۔گناہ کبیرہ کی تعریف میں اختلاف اس کے اقسام کے لحاظ سے ہے ان اقوال میں تضاد نہیں ہے۔

❷ یعنی مختلف اقوال میں مختلف اقسام کبیرہ کی بیان ہوئی ہیں)امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختلاف کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔تنوع اور تضاد اور سلف کے اس مذکورہ اختلاف کو پہلی قسم یعنی تنوع کا اختلاف کہا ہے۔فرماتے ہیں: (اسلاف سے منقول) اکثر اختلاف جو ہوتا ہے وہ اختلاف تنوع ہوتا ہے اختلاف تضاد نہیں ہوتا اس کی دو صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ ہر ایک نے ایک چیز کی تعریف کی ہو مراد لیا ہو مگر عبارات سب کی الگ الگ ہوں مختلف عبارات ایک ہی معنیٰ کو ثابت کرتے ہوں نام بھی ایک ہی ہو۔دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کسی عام اسم کا ذکر کرتا ہے اور بطور مثال کے اس کی چند اقسام کا نام بھی لیتا ہے۔سامع کو صرف اس نوع کی متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے ایسی تعریف پیش نہیں کر رہا ہوتا ہے جو ہر لحاظ اس کے موافق ومطابق ہو۔عموم وخصوص کو مدنظر رکھا گیا ہو۔[مقدمہ فی اصول التفسیر ص ۸ تا ۱۱]

یہ اس لیے کبیرہ ہے کہ قرآن میں خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا ہے یہ اس کے کبیرہ ہونے کی دلیل ہے۔ گناہ کبیرہ کے درجات قرآنی نصوص سے بھی ثابت ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: ان اصطلاحات یا الفاظ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول الفاظ کو بھی ان احتمالات پر محمول کرنا ناممکن نہیں ہے ۔البتہ یہ بات اہم ہے کہ اللہ کے فرمان کا مطلب سمجھ لیا جائے۔﴿ اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبٰٓٮِٕرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ﴾ اگر تم ان بڑے گناہوں سے اجتناب کرلو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری برائیوں سے درگزر کرلیں گے۔اور اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔ کہ نمازیں درمیانی وقفے کے گناہوں کا کفارہ ہیں سوائے کبیرہ گناہوں کے۔آیت وحدیث سے گناہ کبیرہ کا حکم ثابت ہوتا ہے۔[احیاء العلوم غزالی ج ۱۱ ص۲۹۸]

صغیرہ وکبیرہ گناہوں کے درمیان فرق سے متعلق ہم کہتے ہیں کہ معاصی کی تقسیم پر اگر نظر ڈالیں تو وہ اس طرح بنتی ہیں کہ:

① ایک تو معصیت اپنی ذاتی حیثیت میں ہے انسان اگرچہ اس کا ارتکاب ایک ہی مرتبہ کرے۔

② معصیت (اس لحاظ سے بھی ہے) کہ انسان اس کا ارتکاب بار بار کرے اب جو معاصی اپنی ذات کے لحاظ سے کبیرہ ہیں ان کا ارتکاب اگر انسان ایک مرتبہ بھی کرے پھر بھی وہ کبیرہ ہی ہے۔ جیسے قتل، زنا وغیرہ اور جو گناہ صغیرہ ہے اپنی ذاتی حیثیت میں جب اسے ایک مرتبہ کیا جائے تو (صغیرہ ہی ہوتا ہے) جیسے اس عورت کو دیکھنا جس کا دیکھنا حرام ہے۔ جہاں تک بات ہے تکرار معصیت کی تو کوئی معصیت اگر صغیرہ بھی ہو تو اس کا بار بار ارتکاب کرنا اس پر مداومت کرنا اس صغیرہ معصیت کو بھی کبیرہ بنا دیتا ہے ۔المنار کے مصنف لکھتے ہیں: بعض علماء جیسے امام الحرمین، غزالی، رازی وغیرہ کہتے ہیں کہ کبیرہ وہ ہے جس کے ارتکاب سے دین کی توہین اور اس کے عدم احترام کا اظہار ہوتا ہو یہ قابل قبول اور معقول بات ہے۔[تفسیر المنارج ۵ ص ۴۱]

گناہ کبیرہ کا اعتبار اس کے فاعل کے ارادے اور گناہ کے ارتکاب اور اس کے انجام سے باخبری کے لحاظ سے ہوگا گناہ کی ذاتی حیثیت سے نہیں جیسا کہ تفسیر المنار میں لکھا ہے۔[ج۵ ص ۴۲]

اگر کوئی گناہ فی ذاتہ صغیرہ ہے مگر اس کا کرنے والا یہ جانتے ہوئے کہ اس میں شریعت کی توہین ہے بار بار کرتا

ہےتو وہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ سے طبری میں اسی طرح مروی ہے کہتے ہیں: کہ بار بار کرنے سے گناہ صغیرہ نہیں رہتا اور استغفار کرنے سے کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا۔

[ابن کثیر بحوالہ طبری وابن ابی حاتم ج۲ ص ۲۴۷]

چھوٹا گناہ اس کو کہتے ہیں جو بلاارادہ کبھی کبھی انسان سے سرزد ہوجاتے ہیں اس میں مداومت واصرار نہیں ہوتا ۔قرطبی کہتے ہیں: (قرآن میں معمولی گناہ کے لیے جو) لفظ ''**اللمم**'' آیا ہے اس کا مطلب ہے ایسا گناہ جو عادت کے طور پر (اکثر وپیشتر) نہ کیا جاتا ہو۔نفطویہ نے یہ معنی بتایا ہے۔زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''**الـمـام** اور **الـلـمم**'' کہ انسان سے وقتاً فوقتاً سرزد ہو مگر اس میں منہمک نہ رہے مسلسل نہ کرتا رہے۔[قرطبی ج ۱۷ ص ۱۰۸]

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: گناہ کبیرہ کو پہلے سمجھنا ضروری ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا اس پر شرمندہ ہوتا ہے ۔اللہ سے ڈرجاتا ہے اس کو اپنی بہت بڑی غلطی وکوتاہی سمجھ لیتا ہے تو ان باتوں کی وجہ سے وہ کبیرہ بھی صغیرہ میں شمار ہوجاتا ہے۔اور کبھی صغیرہ گناہ کرکے اس پر شرمندہ نہیں ہوتا اس کی پرواہ نہیں کرتا اللہ کا خوف دل میں نہیں لاتا اسے معمولی سمجھتا ہے تو یہ باتیں اس صغیرہ کو بھی کبیرہ میں شمار کرادیتی ہیں بلکہ سب سے بڑے کبائر میں سے بنادیتی ہیں۔[مدارج السالکین ج۱ ص ۳۲۸]

ان صغیرہ وکبیرہ گناہوں کا اگر ارتکاب کیا ہے تو اب ان کے مٹانے کے لیے کیا طریقہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جہاں بھی تم ہو اللہ سے ڈرتے رہو، برائی کے بعد فوراً بعد اچھائی کرو وہ اس کو مٹادے گی (یعنی اگر غلطی سے برائی کر بیٹھو تو اس کی تلافی کے لیے اچھا کام کرو یہ نہیں کہ قصداً برائیاں کرتے جاؤ اور ساتھ ساتھ اچھائیاں بھی کرو کہ حساب برابر ہوتا جائے گا۔مترجم) ''اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ''۔

[ترمذی]

برائی کے بعد اگر اچھائی کی جائے تو وہ اچھائی اس برائی کو مٹادیتی ہے تو بہ ہر گناہ کے مٹانے کے لیے شریعت نے مقرر کی ہے اس کی تفصیل زیادہ ہے مگر یہاں ہم صرف وہ طریقے ذکر کرتے ہیں۔ جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے گناہوں کے مٹانے کے لیے بیان کیے ہیں۔وہ کہتے ہیں: کہ گناہوں کو مٹانے کے دس کے قریب ذریعے ہیں

① توبہ کرنا۔

② استغفار کرنا۔

③ ایسی نیکیاں جوان برائیوں کومٹانے والی ہوں۔

④ مؤمن کے لیے دعا جیسے نماز جنازہ ادا کرنا۔

⑤ میت کے لیے اگر عمل کیے جائیں جیسے صدقات، صدقہ جاریہ وغیرہ۔

⑥ نبی ﷺ کی شفاعت کا حاصل ہونا۔

⑦ وہ تکالیف جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

⑧ قبر میں جو آزمائش اور عذاب وخوف ہوتا ہے۔

⑨ قیامت کی ہولنا کیاں، تکالیف اور مصائب پہنچنا۔

⑩ اللہ کی رحمت، درگذر، مغفرت بغیر کسی سبب کے جو وہ بندوں کو دے[الایمان الاوسط ص۲۹ تا۴۳]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ واضح بیان ان لوگوں کے اس شبہ کا ردّ کر دیتا ہے کہ ایمان کے مرتکب چند اجزاء کے زائل ہونے سے ایمان مکمل طور پر زائل ہوجاتا ہے اور اپنے اس شبہ کی بنیاد پر انہوں نے یہ عقیدہ اپنا رکھا ہے کہ معصیت کے ارتکاب سے انسان کافر ہوجاتا ہے اور لفظ ایمان کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔اس کا کفر ثابت ہوجاتا ہے۔ان کے بقیہ شبہات کا ازالہ ہم آئندہ کی دو فصلوں میں کریں گے انشاء اللہ۔ہم نے خوارج کا وہ بنیادی اور اساسی قاعدہ ختم کردیا کہ تمام گناہ یکساں ہوتے ہیں اور یہ لفظ کفر میں شامل ہیں اور ہر معصیت کفر ہے چاہے اس پر مصر رہے یا نہ رہے۔ہم نے کتاب اللہ کی آیات، احادیث مبارکہ، اقوال سلف اور قابل اعتماد علماء کی آراء سے صحیح مسلک ثابت کردیا ہے۔اب ہم ان کے بقیہ مزعومہ شبہات کا ازالہ کریں گے اور اس بارے میں درست سمجھ اور صحیح منہج سامنے لائیں گے۔ان شاءاللہ تعالیٰ

((تیسری فصل))

خوارج کے دلائل کا ردّ

① پہلا شبہ یا غلط فہمی ’گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے۔

ہم نے فصل ثانی میں اس خیال کا ردّ پیش کر دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ شرک کے علاوہ بقیہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب موحدین میں سے ہے مگر گناہ کی وجہ سے وہ جہنم کی سزا بھگتے گا البتہ اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا اس کے عدم کفر پر بہت سے دلائل ہیں جنہیں ابن حزم رحمہ اللہ نے الملل والنحل میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ انہیں پیش کر رہے ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

[البقرة:۱۷۸]

”مؤمنو! تمہیں مقتولوں کے بارے میں قصاص (خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے (اس طرح پر کہ) آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (مقتول کے وارث) کو پسندیدہ طریق سے (قرارداد کی) پیروی (یعنی مطالبہ خون بہا) کرنا (اور قاتل کو) خوشی سے ادا کرنا چاہیے۔ یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے آسانی اور مہربانی ہے جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لیے دکھ کا عذاب ہے۔“

اللہ نے ایمان والے کہہ کر بات کی ابتداء کی ہے اور قاتل و مقتول دونوں کو اہل ایمان کہا ہے۔ قتل عمد کے مرتکب

قاتل اور مقتول کے ورثاء کو بھائی قرار دیا ہے: ﴿فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ﴾ اس سے ثابت ہوا کہ قتل عمد کا مرتکب بھی مؤمن ہے اور ایمان کی وجہ سے مقتول کا بھائی ہے جبکہ کافر و مؤمن میں تو بھائی چارہ ہوتا نہیں۔

❷ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [الحجرات:۹،۱۰]

''اور اگر مؤمنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ جب وہ لوٹ آئے تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مؤمن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔''

یہ آیت مکمل طور پر شکوک وشبہات کا ازالہ کردیتی ہے اس لیے کہ اس میں اللہ نے تمام مؤمنوں کو حکم دیا ہے کہ اگر مؤمنوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو سارے مؤمن مل کر اس کے خلاف جنگ کریں یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف آجائے۔ اس آیت میں باہم قتال کرنے والوں کو آپس میں ایک دوسرے کا مؤمن بھائی قرار دیا ہے۔ اس بات سے کوئی گمراہ ہی انکار کرسکتا ہے۔ یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ نے انہیں تب بھائی قرار دیا ہے جب یہ توبہ کرلیں اس لیے کہ آیت میں واضح طور پر موجود ہے کہ ایک دوسرے پر زیادتی کرتے وقت اور اللہ کے حکم کی طرف رجوع سے پہلے یہ لوگ بھائی ہیں۔ آیت کے شروع میں باہم لڑنے والوں کے درمیان اور آیت کے آخر میں بھائیوں کے درمیان صلح کا حکم دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ زیادتی کرتے اور قتال کرتے وقت بھی یہ بھائی ہیں آپس میں۔

❸ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ [النور:۳]

”زانی مرد زانیہ عورت یا مشرکہ سے ہی نکاح کرسکتا ہے اور زانیہ عورت سے زانی یا مشرک نکاح کرتا ہے اور مؤمنوں پر (بدکار عورت سے نکاح کرنا) حرام ہے۔“

اس آیت سے ثابت ہوا کہ زانی مرد یا زانی عورت مشرک نہیں ہیں اس لیے کہ اللہ نے دونوں میں فرق رکھا ہے ۔فرق بھی ایسا کہ ہم اس کو تاکید کے معنی پر بھی محمول نہیں کرسکتے۔ بلکہ یہ دونوں الگ الگ صفات ہیں جو لوگ اس کو تاکید کہتے ہیں ان کی بات غلط ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں کوئی لفظ بے فائدہ ذکر نہیں کرتا بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کلام میں طوالت نہ ہو اور قرآن بلاغت میں سرفہرست ہے بلکہ سب سے زیادہ بلیغ ہے کوئی مسلمان یہ نہیں سوچ سکتا کہ اللہ نے بے فائدہ لفظ ذکر کیا ہے جس سے تکرار کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اس طرح کا کلام بلاغت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ان لوگوں نے ﴿وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان﴾ میں بھی تینوں الفاظ کفر،فسوق،عصیان کو مترادف قرار دیا ہے حالانکہ کلام عرب میں اس طرح کبھی نہیں ہوتا بلکہ عربی قواعد کی رو سے وہ کلام بلاغت وفصاحت کے اعلیٰ درجہ سے گرجاتا ہے جس میں اس طرح تکرار کے ساتھ مترادف الفاظ لائے جائیں قرآن اس طرح کے غیر بلیغ کلام سے مبرا و پاک ہے۔یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ جب تک یہ دونوں توبہ نہ کرلیں کافر ہوجائیں گے اس لیے کہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ شرک سے کم تر گناہ پر آخرت میں اس کی سزا ملے گی اگر دنیا میں اس پر حد نہ لگی ہو اور نہ ہی توبہ کی ہو جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزر چکا ہے۔

❹ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دینے والوں کے سامنے ہم ایک بات پیش کرتے کہ اللہ نے تمام مشرکوں کے قتل کا حکم دیا ہے ان میں سے سوائے جزیہ دینے والے اہل کتاب اور بچوں یا سفیر کے کہ وہ اپنا مشن مکمل کرکے اپنے محفوظ مقام پر واپس چلے جائیں یا اللہ کا کلام سننے کے لیے پناہ مانگنے والے کے۔اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتد کے قتل کا حکم دیا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب (جو ان کی نظر میں کافر ہے ملت

سے خارج ہے)زانی، چور،شرابی، بہتان تراش،میدان جنگ سے بھاگنے والا، یتیم کا مال کھانے والااگر اسلام سے خارج ہے مرتد ہے تو کیا اسے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟(جبکہ مرتد کے قتل کا حکم اللہ کے رسول ﷺ نے دیا ہے)کیا یہ لوگ اللہ اوررسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کریں گے یا اس کی مخالفت کریں گے ؟خوارج ومعتزلہ سب کہتے ہیں کہ انہیں قتل نہیں کیا جائے گا البتہ ان میں مختلف حد اور سزائیں ہیں ہاتھ کا کاٹنا،سوکوڑے ۔اسی (۸۰) کوڑے بعض میں صرف سرزنش ہے ان میں سے کسی بھی عمل کے ارتکاب پر قتل نہیں کیا جائے گا اس طرح تو ان کا پورا نظریہ ہی باطل قرار پاتا ہے۔[الملل والنحل لابن حزم ج ۳ ص ۲۳۵]

② دوسرا شبہ:

یہ لوگ قرآن کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کی معصیت انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے اور وہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔لہٰذا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کافر ہو گیا ہے۔جیسا کہ سورۂ نساء ،الجن اور البقرۃ میں ہے:اس باب کی فصل اول میں جن کا ذکر ہوا۔

۞ وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوۡدَہٗ یُدۡخِلۡہُ نَارًا خَالِدًا فِیۡھَا وَ لَہٗ عَذَابٌ مُّھِیۡنٌ [النساء:۱۴]

’’اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اس وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا،ایسوں ہی کے لئے رسوکن عذاب ہے۔‘‘

۞ وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَاۤ اَبَدًا [الجن:۲۳]

’’(اب) جو بھی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نہ مانے گا اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔‘‘

۞ بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتۡ بِہٖ خَطِیۡٓـَٔتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ھُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡنَ [البقرہ:۸۱]

''یقیناً جس نے بھی برے کام کئے اور اس کی نافرمانیوں نے اس گھیر لیا، وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی رہیں گے۔''

صحیح سمجھ والے کے لئے کافی ہے جو ہم نے تمام دلائل کو جمع کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ معصیت کی دو قسمیں ہیں۔شرک اور شرک سے کم تر معصیت ،انسان جہنم میں کفر کی وجہ سے ہمیشہ اور گناہوں میں سے صرف شرک کے ارتکاب سے آدمی جہنم میں ہمیشہ رہتا ہے۔جبکہ بقیہ گناہوں کی وجہ سے انسان جہنم میں ہمیشہ نہیں رہتا چاہے صغیرہ ہوں یا کبیرہ، مذکورہ آیات (جو خوارج نے دلیل کے طور پر پیش کی ہیں) میں جن معصیات کا ذکر ہے ان سے کفر اور اللہ سے دشمنی کرنا مراد ہے شرک سے کم تر گناہ مراد نہیں ہے۔ جمہور سلف کی فہم یہی ہے جنھوں نے اس موضوع سے متعلق تمام ادلہ کے ہر پہلو پر نظر ڈالی ہے اور ان سب میں تطبیق پیدا کی ہے۔

۞ طبری رحمہ اللہ سورہ نساء کی آیت سے متعلق کہتے ہیں: اگر کوئی سوال کرے کہ کیا جہنم میں وہ شخص ہمیشہ رہے گا جس نے میراث کی تقسیم میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی؟ اس کا جواب ہاں میں ہے اگر اس معصیت کے ساتھ ساتھ آدمی کو یہ شک ہو یا اس کو علم ہو کہ اللہ نے ان دونوں آیتوں میں اس پر وہی فرض کیا ہے جو دیگر بندوں پر فرض کیا ہے اور اس کے باوجود وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرے۔ان کے اس اشکال میں یہ آیت بھی شامل ہے اس کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ معصیت کا مرتکب جہنم میں ہمیشہ رہے گا اس لیے کہ وہ اللہ کے حکم سے انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کا منکر ہو گیا اور اسلام سے خارج ہے۔ [طبری ج ٤ ص:٢٩١]

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر معصیت سے مراد کفر ہے تو پھر اس کا مرتکب ہمیشہ کا جہنمی ہے۔اور اگر معصیات سے مراد گناہ کبیرہ اور اللہ کے احکامات سے تجاوز لیا جائے تو پھر خلود سے مراد ہوگا ایک مدت جیسا کہ عربی میں کہتے ہیں۔''خلد اللہ ملکہ '' اللہ اس کی حکومت ہمیشہ قائم رکھے۔(حالانکہ کسی انسان کی حکومت ہمیشہ نہیں رہتی مراد خلود سے لمبی مدت ہوتا ہے)اس طرح زہیر نے اپنے اشعار میں خلود کا لفظ پہاڑوں کے لیے استعمال کیا ہے۔''ولا خالداً الا الجبال الرأسیات '' بلند پہاڑوں کے علاوہ کوئی ہمیشہ رہنے والا نہیں۔(یہاں '' خالداً '' سے مراد حقیقی ہمیشگی نہیں بلکہ لمبی مدت ہے)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی لغت میں لفظ خلود طویل

مدت کے لیے استعمال ہوتا ہے اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہوتا ظاہری معنی ہے کسی بھی صورت میں نہ نکلنا قرآن عربی زبان میں ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اسے عرب کے محاورے کے مطابق سمجھا جائے ظاہری لغوی دلالت کے لحاظ سے نہیں۔ اگر اسے صرف لغت کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو پھر اس کے معانی اور شریعت کے احکام کے درمیان تعارض وتضاد آئے گا۔ اور قرآنی آیات کا آپس میں بھی تعارض آئے گا۔

❁ سورۃ بقرہ کی آیت ﴿بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْئَتُه﴾ کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس سے مراد مشرک ہے یہاں سیئہ شرک کے معنی میں ہے یہی رائے ابووائل، مجاہد، قتادہ، سدی، عطاء بن ابی رباح، ابن جریج اور ربیع رحمۃ اللہ علیہم کی طبری وابن کثیر قرطبی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے بھی یہی لکھا ہے۔ ﴿اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْئَتُه﴾ میں ﴿خَطِیْئَتُه﴾ سے مراد دیگر تمام گناہ ہیں جو مشرک اپنی زندگی میں کرتا رہتا ہے اور وہ گناہ اسے اس طرح گھیر لیتے ہیں کہ وہ ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتا طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس آیت کی تاویل اس طرح ہوگی۔ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اور اس کے ساتھ دیگر گناہ بھی کرتا رہا اور اس حالت میں مرگیا توبہ نہیں کرسکا تو یہ جہنمی ہے اس میں ہمیشہ رہے گا۔ [ج ١ ص ٣٨٦] یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہ، اعمش اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہما سے بھی منقول ہے۔

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: سَیِّئَۃً سے مراد شرک ہے۔ حسن وقتادہ رحمۃ اللہ علیہما بھی کہتے ہیں کہ ﴿خَطِیْئَتُه﴾ سے گناہ کبیرہ مراد ہے۔ جب اللہ نے فرمایا کہ: ﴿بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً ......﴾ تو یہ حکم دونوں شرطوں کے ساتھ متعلق ہوا اور ان دونوں میں اگر ایک بھی کم ہوئی تو بات مکمل نہ ہوگی۔ اسی طرح کی آیت وہ بھی ہے ﴿ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا﴾ جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر قائم رہے۔ اور اسی طرح کا قول نبی ﷺ کا بھی ہے۔ جب آپ ﷺ نے سفیان بن عبداللہ ثقفی سے کہا تھا۔ اس نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتائیں جو آپ ﷺ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں آپ ﷺ نے فرمایا: کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر قائم رہو۔ [قرطبی ج ٢ ص ١٤]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شرک سے کم معاصی کی وجہ سے انسان ہمیشہ جہنم میں نہیں رہتا۔

❁ سورۂ نساء کی جو آیت ہے کہ قتل عمد کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا تو اس آیت کو ﴿وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ

الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا ﴾ کیساتھ ملا کر سمجھنا چاہیے۔ کہ مؤمنوں کے درمیان قتال جس طرح کفر نہیں ہے اسی طرح آیت اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ قتل عمد کفر نہیں ہے۔ آیت صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اللہ کی طرف سے ثابت کرتا ہے کہ وہ شخص اس سزاء کا مستحق ہے اگر چہ اس طرح حقیقتاً نہ ہو اس لیے کہ اہل سنت کا اصول ہے کہ وعید میں تاخیر ہوسکتی ہے یہ ممکن ہے کیونکہ اللہ قدرت رکھنے والا اگر وعید میں تاخیر کرے تو یہ اس کی صفت کمال کی دلیل ہوگی البتہ وعدے کی تاخیر اس کے الٹ و برعکس ہے۔ ایک توجیہ تو یہ تھی دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں خلود بمعنی طویل مدت کے ہے جیسا کہ پہلے ہم قرطبی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں ہم نے بھی اسی توجیہ کو اپنایا ہے اور آیت کے اسی مفہوم کو صحیح سمجھا ہے۔ تاکہ ہمیں وہ متعدد احادیث نہ ردّ کرنی پڑیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک سے کم تر معصیت کا مرتکب کافر نہیں ہے۔ جیسا کہ طبری میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کا گروہ قاتل یتیم کا مال کھانے والے، جھوٹی گواہی دینے والے قطع رحمی کرنے والے (کے کفر میں) شک نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ نازل ہوگئی تو ہم اپنی بات سے رک گئے۔ [ج ٥ ص ١٢٦]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ شرک ان تمام امور کے خلاف ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ قتل سے مراد قتل خطا ہوسکتا ہے اس لیے کہ قتل خطاء تو ویسے ہی معاف ہے بشرطیکہ خطاء کا احساس ہونے کے بعد توبہ کرلے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ...... غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ کے پاس وہ لوگ آجائیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہہ دیجیے سلامتی ہو تم پر تمہارے ربّ نے اپنے ذمے رحمت لکھ دی ہے جس نے تم میں سے نادانی میں برا عمل کیا پھر اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کرلی تو اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' [الانعام: ٥٤] قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: بغیر ارادے کے گناہ کیا ہو۔ [ج ٦ ص ٤٣٥]

اس لحاظ سے خطا اور عمداً گناہ کرنا برابر ہے کہ توبہ کرنے سے دونوں معاف ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا دونوں میں سے کسی ایک کو (توبہ کے ساتھ) خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

(ا) طبری رحمہ اللہ نے یہ مطلب ابو مجاز اور ابو صالح رحمۃ اللہ علیہما سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں: ابو مجاز کا قول ہے کہ:

((و من یقتل مؤمنا متعمداً فجزاء ہ جھنم)) ''جس نے جان بوجھ کر مؤمن کو قتل کر دیا اس کی سزا جہنم ہے ۔کہتے ہیں کہ یہی اس کی سزا ہے اللہ چاہے تو سزا دے چاہے تو درگذر فرمائے۔''ابی صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی سزا جہنم ہے اگر اللہ سزا دینا چاہے۔ [طبری ج ۵ ص ۲۱۷]

بعض علماء کا قول یہ بھی ہے کہ اگر ندامت اور توبہ کر لی تو معاف ہو جائے گا یہ مجاہد رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول رائے یہ ہے کہ قاتل کی توبہ نہیں ہوتی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ فتویٰ انہوں نے ایک خاص آدمی کے بارے میں دیا ہو جس کسی کو قتل کرنے کا اندیشہ تھا جیسا کہ قرطبی میں ہے کہ ایک آدمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا کہ: جس نے جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کر دیا اس کی توبہ ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں جہنم ہے اس کے لیے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ اس طرح کے فتوے ہمیں دیتے ہیں؟ جبکہ پہلے تو آپ نے فتوی دیا تھا کہ جس قتل کیا اس کی توبہ قبول ہوگی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میرا خیال ہے یہ شخص غصے میں تھا اور کسی مؤمن کو قتل کرنا چاہتا تھا (جس سے کوئی تنازع ہوگا) ان لوگوں نے اس شخص کے تعاقب میں کسی کو بھیجا تو اس نے آکر بتایا واقعی یہی بات تھی۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے یہی صحیح ہے۔ یہ آیت خاص ہے اس کی تخصیص کی دلیل دیگر آیات و احادیث ہیں۔ [قرطبی ج ۵ ص ۳۳۳]

یہ آیت مقیس بن ضبابہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس نے ایک مؤمن کو قتل کیا تھا اور پھر اس کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔

(ب) ایک حدیث عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زنا، قتل اور چوری یہ شرک کے علاوہ (یعنی کم تر) گناہ ہیں۔ فرمایا: میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کرو گے، زنا، چوری، قتل نہیں کرو گے، جس نے یہ بیعت پوری کی اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے جس نے ان میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور اسے دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جس کو سزا دنیا میں نہ ملی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو عذاب دے چاہے تو بخش دے۔ یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شرک بھی ان گناہوں میں سے جس کی معافی ہوگی اگر ایک آدمی شرک کر کے مرتد ہو گیا اور اسے قتل کر دیا گیا تو یہ اس کے

لیے کفارہ نہیں ہوگا۔اسلام کی تعلیمات واحکام سے واضح ہے کہ جو شخص شرک کر کے مرتد ہو کر مارا گیا وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متعمداً کی تفسیر یوں منقول ہے کہ اس نے قتل کو حلال سمجھ کر کیا تو یہ کفر ہے۔

(ج) ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کسی مسلمان کا خون تین وجوہات میں سے کسی وجہ سے جائز ہوجاتا ہے۔شادی شدہ زنا کرے،قتل کے بدلے قتل کیا جائے،دین کو چھوڑ کر مرتد ہوجائے،جماعت سے علیحدہ ہوجائے۔'' [متفق علیہ]

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ قاتل مرتد کی طرح نہیں ہے بلکہ شادی شدہ زانی کی طرح ہے قتل کو جائز سمجھنا کفر کو لازم نہیں کرتا بلکہ اس کا قتل حسد کی بنا پر ہوتا ہے جیسا کہ دیگر ادلہ سے معلوم ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ثلاث تین مختلف گناہ کہا یہ ایک نہیں ہے کہ بقیہ اس کا بیان ہوا گر ایسا ہوتا تو عام کا ذکر پہلے ہوتا پھر اس کے بعد تخصیص ہوتی ہے اس لحاظ سے مرتد کا ذکر پہلے ہونا چاہیے تھا۔ثابت یہ ہوا کہ مرتد اور قاتل ایک جیسے نہیں نہ ہی مرتد اور زانی برابر ہیں۔

(د) اللہ تعالیٰ نے قتل عمد کی سزاء بھی عذاب عظیم بتائی ہے (واعدلہ عذاباً عظیما) کبھی اللہ مؤمن نافرمان کی سزاء بھی عذاب عظیم بتاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ کفار اور منافقین کو بھی عذاب مہین کی وعید دیتا ہے یہ قرآن کی عمومی آیات میں موجود ہے۔مثلاً کفار اور منافقین کے بارے میں فرمایا:

① ۞ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا [النساء:٣٧]

''جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دیگر لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو فضل اللہ نے انہیں دیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ہم نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔''

۞ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ [البقرہ:٩٠]

''وہ غضب کے اوپر غضب کے ساتھ لوٹ آئے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

۞ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ [آل عمران:١٧٨]

''ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تاکہ یہ گناہ میں اضافہ کریں اوران کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

❁ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ [الحج:٥٧]

''جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ان لوگوں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے''

❁ وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ [الجاثيه:٩]

''جب اسے ہماری کسی آیت کا علم ہوتا ہے تو اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ایسے لوگوں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

❁ وَ قَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ [المجادله:٥]

''اور ہم نے واضح آیات نازل کی ہیں اور کافروں کے لیے رسواکن عذاب ہے۔''

❁ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

''ان لوگوں نے اپنے ایمان کو ڈھال بنا رکھا ہے اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں ان کے لیے رسواکن عذاب ہے۔''[المجادله:١٦]

❁ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ [النساء:١٤]

''جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرتا ہے اس کے حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ اسے آگ میں داخل کرے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

(۲) مؤمن نافرمانوں کے بارے میں آیات مندرجہ ذیل ہیں:

① لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [الانفال:٦٨]

''اگر اللہ کی طرف سے پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس میں تمہیں عذاب عظیم پہنچتا۔''

② وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ

اَفَضۡتُمۡ فِیۡهِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ[النور : ۱۴]

''اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تمہیں اس کام میں جس میں تم مشغول ہوئے عذاب عظیم پہنچتا۔''

③ ذٰلِکَ لَهُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا وَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡم [المائدہ:۳۳]

''یہ ان کے لیے رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم۔''

④ وَ لَا تَتَّخِذُوۡۤا اَیۡمَانَکُمۡ دَخَلًۢا بَیۡنَکُمۡ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعۡدَ ثُبُوۡتِهَا وَ تَذُوۡقُوا السُّوۡٓءَ بِمَا صَدَدۡتُّمۡ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ لَکُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ [النحل:۹٤]

''اور تم اپنی قسموں کو آپس کی دغابازی کا بہانہ نہ بناؤ پھر تو تمہارے قدم اپنی مضبوطی کے بعد ڈگمگا جائیں گے اور تمہیں سخت سزا برداشت کرنا پڑے گی کیونکہ تم نے اللہ کی راہ سے روک دیا اور تمہیں بڑا سخت عذاب ہوگا۔''

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (و من یھن اللّٰہ فمالہ من مکرم) جسے اللہ رسوا کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ یہ اس لیے ہے کہ اہانت ذلت، تحقیر اور رسوائی ہے یہ عذاب کی تکلیف پر مزید اضافی چیز ہے کبھی شریف آدمی کو عذاب دیا جاتا جاتا ہے مگر اس کی اہانت نہیں کی جاتی۔[الصارم المسلول ص ۵۳]

اور کبھی عذاب مہین و اہانت اور عذاب عظیم بعض مواقع پر ساتھ ہوتے ہیں۔ جیسے سورۂ جاثیہ میں ہے (آیت نمبر ۹،۱۰) اس سے معلوم ہوا کے یہ عذاب عظیم بھی عذاب مہین کی جنس میں سے ہے اور یہ اس کے علاوہ ہے جہاں صرف عذاب عظیم تنہا آیا ہے اور عذاب کافروں کے لیے ہوتا ہے۔ جہنم انہی کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اس میں ہی جانا ہے اور دوبارہ اس میں سے نکلنا نہیں۔ جبکہ گناہ کبیرہ کے مرتکب مؤمنین جو ہیں اگر اللہ چاہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ جہنم میں داخل ہی نہ ہوں اور اگر داخل ہو گئے تو کچھ عرصہ بعد اس سے نکلے جائیں گے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿و اتقوا النار التی اعدت للکافرین﴾ ''اس آگ سے خود کو بچاؤ جو کافروں کے لیے بنائی گئی ہے۔'' اللہ نے مؤمنوں کو سود کھانے سے منع کیا ہے انہیں اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا آگ سے بچنے کا حکم دیا جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے تو گویا اللہ کو معلوم ہے کہ اگر یہ سود کھائیں گے تو انہیں

جہنم میں جانا پڑے گا اور اگر دیگر معاصی کریں گے تب بھی حالانکہ وہ آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ان کے لیے نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے جو لوگ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں نہ مریں گے اور نہ زندہ رہیں گے اور جو لوگ گناہ گار ہوں گے انہیں آگ چھو لے گی پھر اللہ جہنم میں سے نکال دے گا۔[الصارم المسلول: ص ۵۳-۵۴]

جب اللہ نے قاتل کے لیے عذاب عظیم کی وعید دی مگر عذاب مہین کی نہیں دی تو اس سے ثابت ہوا کہ وہ مؤمنین کے زمرے میں ہے اگرچہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہے۔

③ تیسرا شبہ:

وہ احادیث جن میں سے کسی عمل کی وجہ سے عمل کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے یا کسی فعل کو کفر قرار دیا گیا ہے یا کسی عمل کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کا کرنے والا ہم میں سے نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اللہ ہی کی توفیق سے ہم کہتے ہیں: جہاں تک لعنت والی احادیث ہیں تو لعنت کا معنی لغت میں ہے رحمت سے دوری۔ یہ لعنت دو طرح سے ذکر ہوئی ہے:

❶ **دعا:** جیسا کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔ اللہ نے اس آدمی پر لعنت کرے جو (تقسیم کے بعد میں لگائے گئے) نشانات تبدیل کرے۔ [مسلم]

اللہ کی لعنت ہو سود کھانے والے اور کھلانے والے پر۔ [مسلم]

گودنے والی اور گدوانے والی پر لعنت ہو۔[متفق علیہ]

اسی طرح دیگر احادیث ہیں جن میں لعنت دعا کے صیغے سے ذکر کی گئی ہے اس شخص کے لیے جو اپنے عمل کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے۔ یہ بددعا اللہ کی رحمت سے مطلقاً دور کرنے کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ کچھ وقت کے لئے یہ دوری ہوتی ہے۔ (فعل کے ارتکاب کے وقت)

❷ **خبر:** جیسا کہ عموماً قرآنی آیات میں ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک دنیاوی لعنت دوسری اخروی، قرآن میں اللہ نے جس شخص پر دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے وہ کافر ہے ہمیشہ جہنم میں رہنے والا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا

مُّهِيْنًا [الاحزاب:۵۷]

''جولوگ اللہ اوراس کے رسول (ﷺ) کوایذا دیتے ہیں اللہ نے ان پر دنیاوآخرت میں لعنت کی ہےاوران کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔''

دوسری جگہ فرمان ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [النور:۲۳]

''جولوگ پاکدامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیاوآخرت میں لعنت کی گئی ہے اوران کے لیے بڑا عذاب ہے۔'' ❶

قرآن میں جس آدمی پرلعنت کی گئی ہے۔دنیاوآخرت دونوں میں نہیں ہے۔تو یہ بات بھی صحیح ہوسکتی ہے کہ یہ ان مؤمن لوگوں میں سے جوکسی خاص وقت میں اللہ کی رحمت سے دور ہوتے ہیں۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کافروں میں سے ہوں۔جیسا کہ قاتل کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا [النساء:۹۳]

''جس نے جان بوجھ کرکسی مؤمن کوقتل کردیا تو اس کی سزا جہنم ہےاس میں ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ نےغضب کیا ہےاوراس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔''

یہ ان مؤمنین کے بارے میں ہے جوکسی موقع پراللہ کی رحمت سے دور ہوتے ہیں۔اللہ کا فرمان ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ [البقرة:۱۵۹]

---

❶ اس آیت کے بارے میں کہا گیا کہ خاص کر نبی ﷺ کی عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی اوران پر بہتان لگانے والے بلاشبہ کافر تھے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے یہ روایت ہے بعض نے کہا کہ آیت عام ہے مگر اس لحاظ سے بعض نے خاص کردیا ہے کہ کوئی مؤمن عورتوں پرتہمت لگائے تاکہ وہ عار کے خوف سے ایمان سے رک جائیں جیسا کہ مشرکین مکہ ان مؤمن عورتوں پر لگاتے تھے جو مدینہ کی طرف ہجرت کرتی تھیں دونوں قول کافروں کے بارے میں ہیں۔

”جولوگ چھپاتے ہیں اس کو جو ہم نے نازل کیا ہے آیتوں اور ہدایت میں سے بعد اس کے کہ ہم نے لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر دیا ہے ان لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔“

یہ یہود کافروں کے بارے میں ہے اور پھر اس پر جو یہود کی طرح کام کرتا ہے وہ بھی اسی طرح کافر ہوگا جس طرح یہود کافر ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن میں اللہ نے جو لعنت کی ہے اس کا مستحق کافر ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ اللہ کی طرف سے لعنت کیا گیا شخص کافر ہو اگر اس پر دنیا وآخرت میں لعنت کی گئی ہے اور اگر اس پر صرف دنیا میں لعنت کی گئی ہے تو ہوسکتا ہے کہ یہ صرف نافرمان ہو اور کبھی فعل کے حساب سے کافر بھی ہوسکتا ہے یہ سب اقسام خبر کے صیغے کے ساتھ ساتھ آتی ہیں۔ جبکہ حدیث میں لعنت بددعائیہ صیغہ کے ساتھ آتی ہے۔ احادیث میں جن کو ملعون کہا گیا ہے عام طور پر یہ وہ لوگ ہیں جن کا خون مباح نہیں ہے اور نہ ہی وہ کافر ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو کسی خاص وقت میں اللہ کی رحمت سے دور ہوتے ہیں۔ [الصارم المسلول لابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ٤٢]

جن احادیث میں بعض افعال پر کفر کا اطلاق ہوا ہے تو اس کو دو زاویوں سے دیکھنا چاہیے:

① ہم نے پہلے توحید ربوبیت والوہیت کے ارکان ذکر کیے ہیں اور ان اعمال کا تعارف بھی پیش کیا تھا جو توحید کے منافی ہیں یہ بھی ہم نے ثابت کیا تھا کہ معاصی دو قسم کی ہیں ایک وہ جو شرک ہیں اور دوسری معصیت وہ جو شرک سے کم تر ہیں چاہے کبیرہ ہوں یا صغیرہ، اس زاویۂ نظر سے دیکھیں تو جو عمل توحید کے منافی نہیں یا شرک سے کم تر ہے تو اسے عمل معصیت قرار دینا چاہیے اس کا مرتکب نافرمان ہے بشرطیکہ اس معصیت کو جائز نہ سمجھتا ہو۔ اگر معصیت کو جائز سمجھ کر کرتا ہو تو کفر اکبر میں مبتلا ہے ملت سے خارج ہے اور اگر معصیت کو جائز نہیں سمجھتا تو اس کے عمل کو حدیث میں اگر کفر کہا گیا ہے تو اس کا معنی ہوگا کہ یہ بہت بڑی معصیت ہے۔ جمہور اہل سنت نے ان احادیث کا یہی مطلب لیا ہے۔

② قرآن میں کفر کا لفظ جس طرح استعمال ہوتا ہے سنت میں اس معنی کے لیے نہیں آتا۔ قرآن میں یہ لفظ کفر اکبر کے لیے استعمال ہوتا ہے جو ملت سے خارج کرنے والا ہے یہ اس لیے کہ قرآن کریم ایمان کے اعلیٰ

درجات کی تکمیل کا ذکر کرتا ہے اور کفر و باطل کے سخت ترین درجات بیان کرتا ہے۔ تا کہ مؤمن اعلیٰ درجات کے حصول کے کی کوشش کرے اور کفر کے درجات سے دور رہے۔ اس قاعدے کو شاطبی رحمہ اللہ نے قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: قرآن ان مقاصد کو بیان کرتا ہے جو حالت اور وقت کا تقاضا ہوں اور ان پر توجہ دلاتا ہے جو دو اطراف کے مابین زیر گردش ہوں۔ انتقال کے وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جو وصیت کی تھی اس میں بھی یہی بات موجود ہے فرمایا کہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسانی اور سختی بیان کرنے والی آیات ساتھ ساتھ نازل ہوئی ہیں تا کہ مؤمن اللہ کی طرف رغبت بھی کرے اس کی پکڑ سے ڈرتا بھی رہے اور، وہ اس چیز میں رغبت نہ رکھے جس کی اللہ سے امید نہیں رکھی جا سکتی اور اتنا بھی خوفزدہ نہ ہو کہ خود کو ہلاکت میں ڈالے، اے عمر! کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جہنمیوں کو برے اعمال کے ساتھ ذکر کیا ہے تا کہ ان کو بتایا جائے کہ ان کے لیے کوئی اچھائی نہیں ہے۔ اور جب میں قرآن میں ان کا ذکر دیکھتا ہوں تو میں ڈرتا ہوں کہ میں ان میں سے نہ ہو جاؤں۔ اور اہل جنت کو انکے اچھے اعمال کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس لیے کہ ان کے برے اعمال سے اللہ نے درگزر کیا ہے جب میں ان کا ذکر پڑھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ میرے اعمال بہت کم ہیں میرے اعمال کا ان کے اعمال سے کیا تقابل؟ [الموافقات للشاطبی رحمہ اللہ ج ٣ ص ١٤٠]

جب کہ سنت میں قرآن کی تشریح کی گئی ہے اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں لہٰذا سنت ایمان کے تمام درجات کو بیان کرتی ہے اور کفر کے تمام مراتب کو بھی کبھی سنت میں کفر کا ذکر ہوتا ہے اور مراد اس سے کفر اصغر ہوتا ہے اور کبھی کفر اکبر جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے گروہ صدقہ کیا کرو اور زیادہ سے زیادہ استغفار کرو میں نے جہنم میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا ہے، ایک عورت نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وجہ ہے کہ ہم میں سے اہل جہنم زیادہ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری (کفر) کرتی ہو میں نے دین و عقل میں ناقص نہیں دیکھیں تم سے بڑھ کر کہ صاحب عقل پر غالب آجاتی ہو۔ (اس میں ناشکری کے لیے لفظ ''تکفرن'' مستعمل ہے) اس حدیث کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان باندھا ہے۔ ((کفر دون کفر)) اور مراد لیا ہے کفر اصغر جو ملۃ سے خارج کرنے والا نہیں ہے ۔امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث میں کفر کا لفظ استعمال ہے مگر اس سے مراد اللہ کے ساتھ کفر نہیں ہے

۔بلکہ شوہر کی ناشکری، نعمت واحسان اور حق کی ناشکری کو کفر کہا گیا ہے۔[مسلم نووی ج۲ ص٦٧]

حدیث میں لفظ کفر خاوند کی ناشکری کے لیے آیا ہے یعنی شوہر کی حق تلفی اس کا قاعدہ یہ ہے کہ کوئی لفظ اس وقت تک اپنے ظاہری (اصلی) معنی میں استعمال ہوتا ہے جب تک کوئی قرینہ اس کو اپنے اصلی معنی سے پھیر نہ دے۔اگر کوئی دلیل وقرینہ ایسا ہو کہ جو لفظ کفر کو جو حدیث میں آیا ہے اپنے اصلی معنی ''کفر اکبر'' سے پھیر دے تو ممکن ہے کہ اس سے کفر اصغر مراد لیا جائے اس لیے کہ یہ سنت میں ثابت ہے،

((سباب المسلم فسوق وقتاله کفر))[مسلم]

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔''

((لاترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض))[مسلم]

''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارو۔''

اس کو اللہ کے اس قول کے ساتھ ملایا جائے۔﴿وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا ﴾تو یہ دلیل ہو گی اس بات پر کہ صرف قتال کفر کو لازم نہیں کرتا۔حدیث میں استعمال ہونے والا کفر کا لفظ کفر اصغر یا معصیت مغلظ پر محمول ہو گا۔اگر کوئی مسلمانوں کے ساتھ اور قتلِ مسلم کو جائز سمجھ کر کرتا ہو،تو پھر یہ لفظ کفر اکبر پر محمول کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: جو نجومی یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو اس نے میری شریعت کے ساتھ کفر کیا۔ [حاکم]

اس حدیث کو مسلم کی روایت کردہ دوسری حدیث کے ساتھ ملا کر سمجھا جائے گا جس میں ہے جس نے نجومی کی بات کی تصدیق کی اس کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہو گی معین مدت تک نماز کا قبول نہ ہونا یہ جملہ تو کسی غیر مسلم کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ آدمی کافر نہیں ہوا اور اگر وہ یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ کاہن علم غیب جانتا ہے یا اسے اللہ کے علم میں شریک سمجھے تو اس کا کفر کفر اکبر ہو گا۔

نبی ﷺ کا فرمان:

''جو غلام اپنے مالکوں سے بھاگ جائے اس نے کفر کیا حتٰی کہ ان کی طرف لوٹ کر

آ جائے۔'' [مسلم]

اس کو دوسرے فرمان سے ملایا جائے کہ:

''جو غلام اپنے آقاؤں سے بھاگ جائے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔'' [مسلم]

تو عدم قبولیت عدم صحت پر دلالت نہیں کرتی جیسا کہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کہتے ہیں: بھاگے ہوئے غلام کی نماز صحیح ہوگی مگر قبول نہیں ہوگی اس حدیث کی رو سے اس غلام کی نماز کی عدم مقبولیت اس معصیت کی وجہ سے ہے ۔جبکہ نماز صحیح اس لیے ہے کہ اس کی صحت کے لیے ضروری شرائط وارکان موجود ہیں اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔عدم قبولیت کا اثر عدم ثواب ہے اور صحت کا اثر قضاء پر ہے۔اسے تارکِ نماز کی سزا نہیں ملے گی۔[نووی مسلم ج ٢:ص ٥٨]

اسے قیاس کیا گیا ہے اس نماز پر جو غصب شدہ مکان میں ادا کی جائے وہ صحیح ہوگی مگر اس کا ثواب نہیں ملے گا امام مازری اور قاضی عیاض رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ جو غلام بھاگنے کو حلال سمجھے اس کی نماز قبول نہیں اور اسے کافر قرار دیا جائے گا۔بعض سلف اور ائمہ کی رائے ہے کہ احادیث میں استعمال ہونے والا لفظ کفر مطلقاً کفر اصغر کے لیے ہوتا ہے۔اس معنی میں اس کا استعمال جائز بھی ہے۔اس قول میں اور ہمارے بیان کردہ قاعدے میں کہ جب قرینہ ہو تو ظاہری معنی سے پھیرا جائے گا دونوں میں تعارض نہیں ہے اختلاف صرف طریقے کا ہے۔تلاش کے بعد ثابت ہوا کہ جو بھی لفظ کفر احادیث میں پایا گیا وہ بالفعل اس قبیل سے ہے۔لہٰذا کوئی تعارض نہیں یہ اسی طرح ہے جیسا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تھا قرآن میں جو بھی لفظ عام ہے اس کی تخصیص (دوسری جگہ) کر دی گئی ہے۔تو بعض فقہاء نے اس عام کو مطلقاً اپنا لیا ہے اور انہوں نے دلالت عام کو ظنی مانا ہے اس لیے کہ اس کی تخصیص قطعی ہے اور بعض نے اسے اپنے عموم پر چھوڑا ہے جب تک کہ کسی دلیل سے تخصیص ثابت نہ ہو۔نتیجہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔فتح المجید کے مصنف کہتے ہیں: یہاں کفر کی دلالت کے بارے میں توقف کرنا ہوگا کفر اصغر یا کفر اکبر وعید میں مبالغ کے لیے نہیں بولا جائے گا۔کہتے ہیں کیا یہاں ((کفر دون کفر)) ہے جو ملۃ سے خارج نہیں کرتا؟ یا توقف کیا جائے گا اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ ملۃ سے خارج کرتا ہے یا نہیں؟ احمد رحمہ اللہ سے روایتوں میں ایک زیادہ مشہور یہی ہے۔[فتح المجید:٢٢٦]

بہت سے سلف نے توقف کا طریقہ اختیار کیا ہے اس پر حکم لگانے میں کہ ملۃ سے خارج کرتا ہے یا نہیں تا کہ یہ نصوص اپنی اہمیت کھو نہ دیں جیسا کہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ حدیث ہے کہ تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہمیشہ شراب پینے والا، جادو کو سچ سمجھنے والا، قطع رحمی کرنے والا اس حدیث کے بارے میں فتح المجید کے مصنف کہتے ہیں: یہ وعید کی نصوص ہیں ان میں تاویل سلف نے پسند نہیں کی وہ کہتے ہیں اس کا وہی معنی مراد ہے جو اس کے ظاہر کا ہے۔ اور جس نے تاویل کی ہے اس نے لاعلمی میں بہت خطرناک کلام کیا ہے ۔بہتر بات اس میں یہ ہے کہ شرک و کفر سے کم تر جو بھی عمل ہے وہ اللہ کی مشیت پر ہے چاہے تو عذاب کر دے اور اگر بخش دے تو یہ اس کی رحمت اور اس کا فضل ہوگا۔[فتح المجید ص ۲۹۶]

مسلم کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام زہری رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اس جیسی احادیث پر ایمان لایا جائے گا اور ان میں جو بیان ہوا ہے ان کو (بلا تاویل) ان کے معنی پر جائے گا ان کے معنی میں دخل نہیں دیا جائے گا اس لیے کہ ہم اس کا معنی نہیں جانتے ان احادیث کے ساتھ وہی برتاؤ کرو جو اسلاف نے کیا ہے۔

[نووی ج ۲ ص ۴۲]

جن احادیث میں (کسی عمل کی وجہ سے) ایمان کی نفی کی گئی ہے یا یہ کہا گیا ہے کہ اس کا کرنے والا ہم میں سے نہیں ہے وغیرہ تو یہ ان قواعد کے مطابق ہی ہیں جو ہم نے پہلے ذکر کیے ہیں کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور معاصی کی دو قسمیں ہیں شرک اور شرک سے کم تر، صغیرہ و کبیرہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ مکمل مؤمن نہیں ہوسکتا اس لیے کہ ایک صفت اس نے ترک کی ہے جیسا کہ معلوم ہے کسی مسلمان کو تکلیف دینے کا ارادہ یا اس کام کو پسند کرنا شرک نہیں ہے بلکہ یہ معصیت ہے جو ایمان واجب میں نقص پیدا کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جب زانی زنا کرتا ہے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ اس وقت مؤمن ہو ۔جب چور چوری کرتا ہے، شرابی شراب پیتا ہے اور اس وقت وہ مؤمن ہو یہ نہیں ہوسکتا۔[مسلم]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کی حد ہاتھ کاٹنا، زنا کی حد کوڑے مارنا اسی طرح جاری کی ہے جس طرح قرآن میں موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرک نہیں تھا ورنہ ارتداد کی حد قتل ہے یہ سب کو معلوم ہے یہاں ایمان کی نفی

کا مطلب ہے نفی کمال امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرح میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: صحیح قول جو محققین کا ہے اس بارے میں وہ یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی ہے ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص یہ اعمال کر رہا ہو اور کامل ایمان والا بھی ہو۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن میں نفی تو ایک چیز کی بیان ہوتی ہے مگر دراصل نفی اس کے کمال کی ہوتی ہے ۔جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ﴿لَا عِلْمَ اِلَّا مَا نَفَعَ﴾ علم نہیں ہے مگر وہ جو نفع دے۔ ﴿وَلَا مَالَ اِلَّا اِبل﴾ ''اور مال نہیں مگر اونٹ'' ﴿ولا عیش الا عیش الآخرۃ﴾ اور ''زندگی نہیں مگر صرف آخرت کی''۔ ہم نے اس حدیث کا جو مفہوم لیا ہے۔ وہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا جنت میں داخل ہوگا اگرچہ زنا کرے چوری کرے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں عہد لیا کہ زنا مت کرو، چوری نہ کرو......۔ یہ دونوں حدیثیں مدنظر رکھیں اور اللہ کا فرمان کہ اللہ شرک کو نہیں بخشتا اس کے علاوہ جو گناہ ہیں جس کے لیے چاہے معاف کردیتا ہے۔ اس کے ساتھ اہل علم کا اجماع بھی ہے کہ زانی۔ چور قاتل گناہ کبیرہ کے مرتکب اگر شرک نہ کریں تو ان گناہوں کی وجہ سے انہیں کافر نہیں کہا جائے گا وہ مؤمن ہوں گے مگر ناقص ایمان والے۔ [مسلم شرح نووی ج۲ ص۴۱]

وہ جو حدیث ہے کہ جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ [مسلم]

تو یہ ساری حدیثیں اس پر محمول کی جائیں گی جو اس عمل کو حلال سمجھ کر کرے یا تو اس بات سے مراد کفر ہوگا یا یہ کہ وہ ہمارے طریقے اور طرز عمل پر نہیں ہے بہت سے اہل علم نے یہی کہا ہے۔

اور بہت سے سلف نے اس کو پسند نہیں کیا ابن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ یہ بہت بری بات ہے کہ حدیث کو اس کے ظاہری معنی سے پھیر دیا جائے (اپنے معنی پر رکھیں) تاکہ زیادہ سختی سے ممانعت ثابت ہو۔

اختتام

یہ مسئلہ اگر اللہ کسی کے لیے آسان کردے تو بہت ہی آسان ہے اسلام ایک ان پڑھ امت پر نازل ہوا ان کے پاس منطق وفلسفہ اگرچہ ناپید نہیں تھا مگر انتہائی قلیل تھا۔منطق وفلسفہ کے علاوہ دیگر عقلی علوم کی بھی یہی حالت تھی جن کا نقصان نفع کی بنسبت زیادہ ہے۔ان کے ہاں عقلی جدل ومباحثہ نہیں ہوتا تھا سوائے اس فسطائیہ کے جو حق کو مسخ کرنے اور حق وباطل کو باہم خلط کرنے اور باطل کو حق کے مقابلے میں مزین کرنے والا ہے اسلام نے جاہلیت کی ان چالوں سے نجات دے دی اور فکر کی صحیح راہ متعین کردی ان کے لیے صاف چشمہ اور صحت بخش گھاٹ جو ان کے خیالات کو سیراب کرتا وہ قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ تھے پھر ایسی صحیح فہم جو فطرت سلیمہ پر مبنی تھی ۔ جب فتوحات کا دور شروع ہوا اور عجیب وغریب قسم کے علوم کی طرف توجہ ہونے لگی جیسے فلسفہ ،جدل وغیرہ ،تو اختلافات شروع ہوگئے۔علم کلام کا ظہور ہوا وہ فرقے وجود میں آئے جنھوں نے اسلام (اللہ کے دین) کو اپنی آراء وافکار کے ذریعے ٹکڑوں میں تقسیم کردیا، اپنے عجیب وغریب مناہج کو رائج کیا قرآن کے صحیح منہج کو چھوڑ کر تمام دینی معاملات میں ایسا ہی کیا۔ پہلے کہ جو مؤمن تھے ان کے دلوں میں اس طرح کا تحریف وتبدیل شدہ دین نہیں تھا ان کے دلوں میں دین واضح تھا۔فطرت سلیمہ، اور فہم صحیحہ کے ساتھ انہیں ضرورت نہیں تھی ان ماخذ ومراجع کی طرف رجوع کرنے کی اور صفحات کے صفحات الٹنے پلٹنے کی ۔ جہاں دیگر لوگ غلطی کرتے ہیں وہ صحیح راستے پر ہوتے تھے ۔لہٰذا ہمارے لیے بھی ضروری ہے کہ اس صاف سرچشمے کی طرف رجوع کریں اس سے مفاہیم وتصورات اخذ کریں ۔اس کام میں سلف صالحین کے منہج کو اختیار کریں۔ جنھوں نے ہم سے پہلے یہ راستہ طے کیا ہے اسے ہمارے لئے روشن کیا ہے اور فکر سلیم کا منہج بھی بیان کردیا ہے ۔اور نصوص شرعیہ کو لغت عربیہ کے ساتھ اپنانے کا طریقہ وضع کیا۔انہوں نے اصولی قواعد کا استنباط کیا ہے۔ عقلی منہج کی بنیاد رکھی ہے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے یہ رہنمائی کا ذریعہ بنے اور وہ ان کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔تو ہمیں بیمار عقلی ترکیبات اور منطقی جدل کی ضرورت ہی نہیں رہے گی جنہیں زبردستی اسلام میں داخل کیا

گیا ہے۔جس نے ہمیں کوئی فائدہ نہیں دیا سوائے اس نقصان کے کہ ہم دین کے حقیقی فہم سے محروم ہو گئے۔اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تدقیق اور تحلیل لازم ہوئے تاکہ جزئیات واضح ہو سکیں حالانکہ یہ جزئیات اس شخص کے لیے مخفی نہیں ہوتیں جو صاف چشمے کو خلط ملط نہ کرے،اور فطرت صحیحہ کی مخالفت نہ کرے رکھے۔

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں مفید علم،عاجزی کرنے والا دل اور سیدھی زبان عطا فرما۔

یا اللہ! ہماری نیکیاں قبول کر لے اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرما ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین

ترجمہ:عبدالعظیم حسن زئی

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان